ماہنامہ

محدّث

بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر

مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۶۵

جلد: ۳۲ ، شمارہ: ۵

رجب ۱۴۳۵ھ = مئی ۲۰۱۴ء

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۵
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۷
۴-انسان اور معاشرے پر......	ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس	۱۱
۵-توحید اور شرک سے متعلق......	ابوالبیان رفعت سلفی	۱۷
۶-توہین رسالت اور شریعت	محمد اسلم مبارک پوری	۲۴
۷-اخلاق نبوی کے چند نمونے	ابوطلحہ محمد ابراہیم سلفی	۲۹
۸-مولانا فائق املوی......	محمد اسلم مبارک پوری	۳۳
۹-مولانا اسعد اعظمی کی کتاب...	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۳۵
۱۰-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۳۹
۱۱-جامعہ سلفیہ بنارس میں علماء......	دفتر نظامت	۴۰
۱۲-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگرتم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(حق کی طرف رجوع ائمہ اربعہ اوراہل حدیث کا منہج ہے)

(۲۳-آخری قسط)

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

جن لوگوں نے کسی نہ کسی امتی کو اپنا امام وقدوہ بنالیا ہے وہ لوگ اپنے مسلک کی تائید میں منطقی وعقلی دلائل سے لوگوں کو پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کوئی شخص اہل حدیث نہ ہوجائے، اہل حدیث کو نیا مذہب، انگریزوں کی پیداوار اور کافر وگمراہ کہہ کر لوگوں کو ان سے متنفر کرتے ہیں، اور بعد کے کچھ علماء کی کتابوں سے حوالہ دے کر بزعم خویش ان کو باطل اور غلط عقائد کا حامل گردانتے نہیں تھکتے۔

کیا وہ نہیں جانتے کہ اہل حدیث تقلید شخصی کے قائل نہیں بلکہ اس کو حرام تصور کرتے ہیں، اور کسی کے بھی قول وفتوی کو جو قرآن وحدیث کی دلیل کے مقابلہ صحیح نہ ہو قابل عمل نہیں سمجھتے بلکہ قرآن وحدیث کی طرف رجوع کے قائل ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام وہی صحیح ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ۲۳ سالہ دور نبوت میں مکمل ہوا، اور جس کے علمبردار صحابہ کرام تھے۔ اور جو کتاب اللہ اور احادیث رسول میں محفوظ ہے۔ جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں دی گئی ہے۔ اور اللہ کے نبی محمد ﷺ کے فرمان کے مطابق: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد" (بخاری:۲۶۹۷) کہ جو شخص بھی ہمارے اس دین میں نئی چیز پیدا کرے گا وہ رد ہے یعنی قبول نہ کیا جائے گا۔ بعد کے دور میں رائج ہوئے دینی کام کو غلط تصور کرتے ہیں۔ اور یہ فرمان رسول "كل بدعة ضلالة" (مسند احمد:۱۶۱۴۴) ہر بدعت گمراہی ہے۔ بدعت سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔

چاروں ائمہ کرام اور ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء گذرے ہیں جن کے بتلائے ہوئے مسائل میں اختلاف ہونا فطری ہے اور حالات کا تقاضا بھی ـــــ کیوں؟ جب صحابہ کرام بھی دین کے ہر مسئلہ کو نہیں جانتے تھے کیونکہ ہر کوئی نبی کریم ﷺ کے پاس ہر وقت نہیں رہتا تھا، تو یہ ائمہ دین ہر مسئلہ کو کیسے جان سکتے ہیں جب کہ صحابہ کرام جن سے ہم کو دین ملا ہے مختلف شہروں وملکوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اہل حدیث ہر امام کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں اور ہر امام کے علم سے استفادہ اللہ کی نعمت اور احسان تصور کرتے ہیں، اور ان کی نصیحت اور فرمان کے مطابق "إذا صح الحديث فهو مذهبي" کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو یہی ہمارا مذہب ہے، سب کو اہل حدیث مانتے ہیں۔

ہم ایک امام کے فتوی کو لے کر دوسرے کو غلط نہیں کہتے۔ ان ائمہ کرام نے مشکل وقت میں امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اور اگر کسی کا کوئی فتوی حدیث رسول کے موافق نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث ان کو نہ پہونچی ہو۔ یہ ان کی غلطی نہیں ہے بلکہ بمصداق قول رسول اجر کے مستحق ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر" (مسلم:۱۷۱۶) جب کوئی حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس کا

اجتہاد صحیح رہا تو اس کو دوگنا اجر ملے گا اور اگر حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس کا اجتہاد غلط ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملے گا۔

جب اہل حدیث ائمہ کے ان مسائل سے جو کتاب وسنت کے مطابق نہیں ہے رجوع کے قائل ہیں تو بعد کے کسی عالم کے فتوی سے پوری اہل حدیث جماعت کو جو تقلید کی قائل نہیں ہے گمراہ وبے دین کہہ دیا جاتا ہے اور سب کا عقیدہ کفریہ ہو جاتا ہے۔ یہ فلسفہ عقل سے باہر ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ حق کی تلاش کرے اور حق معلوم ہونے پر اس کو قبول کرے۔ ائمہ کرام بھی اپنے زمانہ میں صحیح مسئلہ معلوم ہونے پر اپنے پہلے فیصلہ سے رجوع کرتے تھے۔ اسی لیے کسی کسی امام کے کئی اقوال کتابوں میں منقول ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کا بھی یہی اصول تھا۔ اسی لیے احناف کی کتابوں میں امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کے فتووں میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔

آج سائنس وتحقیق کا دور ہے۔ کمپیوٹر کی دنیا نے کام آسان کردیا ہے۔ پرانے علماء ومحدثین کی کتابوں سے استفادہ اب پہلے سے آسان ہے۔ علم چھپا نہیں ہے۔ قرآن وحدیث کی حفاظت کے لیے قرون اولی کے علماء نے جو کام کیا ہے گذشتہ صفحات میں اس پر کچھ اشارہ اس لیے کیا تاکہ دین اسلام کی حقانیت کو سمجھنے میں آسانی ہو، اور جو لوگ حق کے متلاشی ہیں ان کو مختلف فرقوں میں امن کا کون زیادہ مستحق ہے اور کس کا طریقۂ استنباط حق سے زیادہ قریب ہے اس کی پہچان میں پریشانی نہ ہو۔

نجات کا راستہ ایک ہی ہے، وہ اللہ کا بنایا ہوا صراط مستقیم ہے۔ تمام انبیاء کرام کا بھی یہی دین تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِيَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ﴾ (سورہ شوری:۱۳)

اے محمد (ﷺ) ہم نے تمہارے لیے اسی دین کو مشروع قرار دیا جس کی ہم نے نوح کو وصیت کی تھی اور جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اور جس کی ہم نے ابراہیم وموسی وعیسی کو وصیت کی تھی یہ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو (یعنی فرقوں میں نہ بٹو)، آپ جس دین کی دعوت دے رہے ہیں یہ مشرکین پر گراں گزر رہا ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے اسے ہدایت دیتا ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے بھی اپنی امت کو اسی صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی اور اپنے دور کے طریقہ کو راہ نجات بتایا۔ اور امت کو فرقوں میں تقسیم ہونے کی پیش گوئی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صرف ایک ہی فرقہ جنت کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالی مسلمانوں کو عقل دے کہ وہ کھلے ذہن سے فیصلہ کر کے اسی دنیا میں اپنی اصلاح کرلیں تاکہ ان کے اعمال اللہ کے یہاں مقبول ہوں۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو حق کو تلاش کر کے اس کو قبول کرتے ہیں اور اپنے اعمال کو کتاب وسنت کے مطابق لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے اندر بے راہ روی حد سے زیادہ ہے، ان کو اپنے نبی کی تعلیمات کا پاس ولحاظ نہیں، اسلامی اخلاق اور حقوق ومعاملات کا ان کو خیال نہیں۔ ان کا رہن سہن اور رسم ورواج اسلام کی بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ وہ صرف نماز کو عبادت سمجھتے ہیں جبکہ اسلامی شریعت کے ہر کام کی تابعداری عبادت ہے۔ ان کو جاننا چاہیے کہ نجات کی بنیاد اسلامی شریعت کو اپنانے میں ہے، صرف زبانی دعوی اور اسلامی نام رکھنے سے کوئی مومن نہیں ہوجاتا۔ اسی طرح کسی مسلمان کو کافر یا دائرۂ اسلام سے خارج کہنے سے وہ کافر نہیں ہوجاتا بلکہ اس کا وبال اسی پر لوٹ جاتا ہے۔ یہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کے تعلیم کی خلاف ورزی ہے۔ کسی سچے مسلمان کی زبان سے ایسا نہیں نکل سکتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: قال رسول الله ﷺ: أيما امرئ قال لأخيه يا كافر فقد باء بها أحدهما، إن كان كما قال وإلا رجعت إليه۔ (مسلم:۶۰) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی بھی شخص اپنے بھائی کو ''یا کافر'' اے کافر کہے، تو ان میں سے کسی ایک پر یہ لاگو ہوجاتا ہے، اگر اس کا بھائی جیسا اس نے کہا ویسا ہی ہے تو وہ، نہیں تو کہنے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے یعنی وہ کافر ہوجاتا ہے۔

اسلامی شریعت یعنی دین اسلام اللہ کا نازل کردہ دین ہے جو خاتم الانبیاء والرسل محمد رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔ اس کی دو اساس ہیں، ایک ''وحی متلو'' یعنی وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے جس کو قرآن مجید کہتے ہیں۔ دوسری ''وحی غیر متلو'' یعنی وہ وحی جو تلاوت نہیں کی جاتی جس کو احادیث رسول کہتے ہیں۔ ان دونوں اساس یعنی قرآن وحدیث کی تعریف وتفصیل کو اس مضمون میں جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اسلام کی حقانیت اور ہمہ گیری کو پہچانیں اور جانیں کہ دین اسلام جس طرح قرون اولی میں محفوظ تھا آج بھی محفوظ ہے۔ آج کسی چیز کی معلومات حاصل کرنے یا کسی متنازع مسئلہ کی تحقیق کرنے کے لیے پہلے کے دور کی طرح سفر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمام کتابیں اور علماء کے فتاوے کمپیوٹر کے ذریعہ ایک کلک سے پڑھے جاسکتے ہیں اور بڑی بڑی لائبریریوں اور شعبۂ تحقیق وافتاء سے صحیح مسئلہ دریافت کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (سورہ انبیاء:۷) اگر تم کو معلوم نہ ہو تو اہل ذکر یعنی جانکار لوگوں سے پوچھو۔ اس لیے صحیح مسئلہ کی جانکاری کے لیے تحقیق کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ان لوگوں میں رہ جائیں جو اپنی غلطی کا اقرار کرکے کہیں گے: ﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (سورہ ملک:۱۰) اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو اصحاب السعیر میں نہ ہوتے۔

اللہ تعالی ہم مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ دے کہ ہم اپنی ضد یا کسی کے دباؤ میں دھوکہ میں نہ رہ جائیں۔ ہم کو سچا مسلمان بنائے۔ اسلام کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق بخشے۔ دونوں جہاں میں کامیابی اور عزت نصیب فرمائے۔ ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله وسلم وبارك على محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

یوم الجمعہ ۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ

۷؍فروری ۲۰۱۴ء

درس حدیث

سکون دل کیسے حاصل ہو؟

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُنْظُرُوْا إِلىٰ مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا إِلىٰ مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ. متفق عليه. (بخاری:۶۴۹۰،مسلم: ۲۹۶۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اسے دیکھو جو تم سے کمتر ہو اور اسے مت دیکھو جو تم سے برتر ہو۔ پس اس کی وجہ سے تم اللہ کی ان نعمتوں کو جو تمہیں میسر ہے حقیر نہیں جانو گے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اس کائنات میں تمام مخلوقات اپنے رب کے فضل سے یکساں بہرہ ور نہیں ہیں، بلکہ ان کے درمیان تفاضل و برتری کو قائم رکھا گیا ہے، مال ومنال، حسب ونسب، جاہ ومنصب، عزت وشرف، راحت وسکون، صحت وتندرستی، آل واولاد، شہرت ووقار، اسباب معیشت الغرض ان تمام دنیاوی نعمتوں سے ہر شخص یکساں سرفراز نہیں کیا گیا بلکہ کسی کو کوئی نعمت دی گئی تو دوسرا اس سے محروم کردیا گیا، کسی کے لیے کسی نعمت کو کشادہ کیا گیا تو دوسرے کے لیے اسے تنگ۔ وَرَفَعْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ دَرَجَاتٍ. نعمت الٰہی کی اس حکیمانہ تقسیم کے بعد بندہ اس بات کا مکلّف ہے کہ صبر وشکر سے کام لے، قناعت کا خوگر بنے، حرص وہوس سے بچے، اگر کسی نعمت میں کوئی اس سے بڑھ کر ہے تو دل میں حسد پیدا نہ ہو بلکہ جو میسر ہے، اسے غنیمت جان کر اللہ کا شکر بجالائے تاکہ وہ نعمت اس کے لیے باعث رحمت بن جائے اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہے، اس خوبی کو حاصل کرنے کے لیے مذکورہ بالا حدیث میں جو نسخہ بتلایا گیا وہ بہت اہم اور کارگر ہے۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے اس بات کا حکم دیا: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجاً مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنيَا﴾ (طٰہٰ:۱۳۱) مذکورہ بالا حدیث میں یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص کسی نعمت میں تم سے بڑھ کر ہے، اس کی طرف رشک، حسرت اور لالچ کی نظر سے مت دیکھو کہ اس کے پاس تو اتنا مال ہے میرے پاس نہیں، اس کے پاس اتنی جائداد ہے میرے پاس نہیں، اس کا کاروبار اتنا بڑا ہے میرا تو......، اس کے پاس اور اس کے پاس......۔

محرومی کا یہ احساس زندگی کو اجیرن بناکر رکھ دے گا اور جینے کا سارا مزہ غارت ہوکر رہ جائے گا، جو نعمتیں آپ کو حاصل ہیں ان کا لطف جاتا رہے گا، بلکہ ناشکری کی وجہ سے وہ نعمتیں بھی جاتی رہیں گی۔ مزید یہ کہ دوسروں کے لیے دل میں حسد وجلن پیدا ہوگی جس کی آگ میں خود حاسد جلے گا۔

اس کے برخلاف اگر ان لوگوں کو دیکھا جائے جن کو کم نعمتوں سے نوازا گیا، جن کی زندگی کا معیار نسبتاً کمتر ہے، کھانا

پینا، رہن سہن، صحت وتندرستی، کاروبار اور اس قسم کی نعمتیں جن کے حصے میں کم آئی ہیں تو اس کا دل شکر کے جذبات سے لبریز ہوجائے گا اور رب کریم کے جس فضل عظیم سے وہ فیضیاب ہے اس کو محسوس کرے گا، اس سے لطف اندوز ہوگا اور زبان پر یہ دعا آئے گی: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنِي عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً.

نعمتوں کی قدر اور ان کے صحیح استعمال سے وہ ثواب کا مستحق ہوگا، نعمتیں بھی دیر پا و پائیدار رہوں گی، مذموم اخلاق، حسد، حرص اور کفران نعمت سے بچے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی وجہ سے اسے روحانی سکون ملے گا، اطمینان اور آسودگی حاصل ہوگی، دل قانع اور تقدیر پر راضی رہے گا۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں امام ابن جریر وغیرہ کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

"هذا الحديث جامع لأنواع من الخير لأن الانسان إذا رأى من فضل عليه في الدنيا طلبت نفسه مثل ذلك واستصغر ما عنده من نعمة الله وحرص على الازدياد ليلحق بذلك أو يقاربه هذا هو الموجود في غالب الناس أما إذا نظر في أمور الدنيا إلى من هو دونه لظهرت له نعمة الله عليه فشكرها وتواضع وفعل به الخير. (شرح النووی: ۶ / ۹۷)

یہ حدیث متعدد قسم کے خیر پر مشتمل ہے، اس لیے کہ شخص جب کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو دنیاوی نعمتوں میں اس سے بڑھ کر ہے تو اس کے نفس میں ان نعمتوں کے پانے کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کی جو نعمتیں اسے فراہم ہیں، ان کو وہ حقیر ومعمولی سمجھتا ہے، مزید حاصل کرنے کی حرص پیدا ہوجاتی ہے تاکہ نعمتوں کے اعتبار سے اس کے مرتبہ کو وہ پالے، اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں، لیکن اگر وہ اسے دیکھے گا جو اس سے کمتر ہے تو اللہ کی ان نعمتوں کو محسوس کرے گا جو اسے فراہم ہیں، پس اس میں تواضع، شکرگزاری اور نعمتوں کے ذریعہ خیر کے کاموں کے کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

ہاں اگر بات دینی نعمتوں کی ہو تو جو شخص علم وعمل، ایمان وتقوی، اخلاق ومعاملات میں بڑھ کر ہو اسے دیکھنا چاہیے تاکہ دل میں اس جیسا بننے کا شوق پیدا ہو اور اس کے لیے جد وجہد کی جائے، نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف سبقت کرے اور صحابہ وتابعین ودیگر سلف صالحین کو مشعل راہ بنائے، ان کی سیرت سے بصیرت حاصل کرے۔ خیر کی شاہ راہ کا وہ راہ رو ہو، رب کی رضا اور اس کی جنت اس کا بھی مطلوب ومقصود ہو۔ وفي ذلك فليتنافس المتنافسون.

أحب الصالحين ولست منهم
لعل الله يرزقني الصلاحا

☆☆☆

افتتاحیہ

دونظریوں کی محاذ آرائی

حالیہ پارلیمانی الیکشن کی گہما گہمی ختم ہوچکی ہے۔نتائج سامنے آچکے ہیں۔مئی کا شمارہ جب آپ کے ہاتھوں میں ہوگا اس وقت برسراقتدار پارٹی حکومت کی تشکیل کرچکی ہوگی۔ جمہوریۂ ہند کا یہ سولہواں پارلیمانی الیکشن تھا، جو اپنی گونا گوں خصوصیات کی بناپر گذشتہ تمام پارلیمانی انتخابات سے بالکل الگ تھا۔۱۹۸۴ء کے بعد یہ پہلا الیکشن تھا جس میں کوئی پارٹی کسی بیساکھی کے سہارے کے بغیر اپنے بل بوتے پر تاریخ ساز کامیابی حاصل کی۔ یہ پہلا الیکشن تھا جس میں کانگریس کو پچاس سے کم نشستیں ملیں اور وہ حزب مخالف کا رول ادا کرنے میں ناکام رہے گی۔اس الیکشن میں کامیابی کے لیے سیاسی شعبدہ بازی، بازیگری کا ہرحربہ اور ہتھ کنڈا استعمال ہوا۔جدید ٹکنالوجی اور سوشل میڈیا کو آلہ کار بنایا گیا،ایک دوسرے کی نجی زندگیوں پر کیچڑ اچھالا گیا،اشتعال انگیز بیانات سے انتخابی فضا کو مسموم کرنے کی کوشش کی گئی۔خلاصہ یہ کہ انتخابی ضوابط کی دھجیاں اڑ گئیں۔ الیکشن کمیشن کا نرم اور لچک دار رویہ بھی موضوع بحث بنا رہا۔اس الکشن میں عوام نے اپنی حق رائے دہی کا بھرپور استعمال کیا۔ نوجوانوں میں زیادہ جوش وخروش دیکھنے میں آیا۔جدید ٹکنالوجی کے استعمال نے چھوٹی اور علاقائی پارٹیوں کے لیے مشکلات بھی پیدا کردیں، کیوں کہ ان کو ہائر کرنے کے لیے بے پناہ دولت چاہیے جو چھوٹی پارٹیوں کے پاس نہیں ہے۔الیکشن میں بھاجپا کی ناقابل تصور فتحیابی نے دانشور طبقہ میں اندیشوں، خدشات اور سوالات بھی پیدا کردیے ہیں جس کا جواب اگلے پانچ سالوں میں ہمیں مل جائے گا۔مثال کے طور پر کیا نریندر مودی دنیا کے سب سے بڑے جمہوری نظام کو مزید مستحکم کریں گے یا جمہوریت کا کوئی نیا پیکر تراشیں گے۔ ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلم قوم کے خوف اور دہشت کو ختم کرپائیں گے یا کانگریس کے رویہ کو برقرار رکھیں گے۔کیا گجرات کے تصوراتی ماڈل کے طرز پر ہندوستان کی سالمیت اور تکثیریت کو برقرار رکھتے ہوئے بلندیوں پر لے جانے میں کامیاب رہیں گے۔جیت کے بعد انہوں نے ایک سو پچیس کروڑ ہندوستانیوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کا جو عزم دہرایا ہے وہ یقیناً خوش آیند اور امید افزا ہے۔

مودی کی آندھی: مودی اور بھارتیہ جنتا پارٹی کو اپنی جیت کا یقین تو ضرور تھا،لیکن ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ مودی کی آندھی میں علاقائی اور قومی پارٹیاں خس وخاشاک کی طرح اڑ جائیں گی۔مودی لہر کو آندھی میں تبدیل کرنے کا سہرا خود مودی اوران کے رفقا کار کو جاتا ہے۔مودی نے دن رات محنت کی چار سو سے زیادہ ریلیاں اور روڈ شو کیا۔تین لاکھ کلومیٹر سے زیادہ سفر کیا۔میڈیا کو اس طرح اپنے کنٹرول میں لے لیا کہ سال کے تین سو پینسٹھ دن چوبیس گھنٹے وہ موضوع بحث بنے رہے۔ پورے ملک کے عوام سے براہ راست رابطہ کی کوشش کی۔اپنے مخصوص جارحانہ انداز میں کانگریس اور دیگر مخالف پارٹیوں پر مسلسل حملے اور سخت تنقیدیں کرتے رہے۔کانگریس کی نااہلی کی تصویر اس طرح پیش کی کہ اس کی دس سالہ حکومت کو ظلمت کدہ ثابت کردیا۔یہ لہریوں ہی نہیں پیدا ہوئی،اس کے لیے ہزاروں ماہرین ڈھائی سال سے مسلسل اسٹریٹجی تیار کرتے

رہے۔مودی عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اپنا روپ بھی بدلتے ہے۔کبھی چائے والے بن گئے کبھی دلت بن گئے۔
دوسری طرف اس ملک کے عوام کانگریس کی بے ثمر حکومت سے سخت ناراض تھے۔کانگریس نے عوام کی اولین ترجیحات کو بالکل نظر انداز کردیا تھا۔عوام کی ناراضگی برحق تھی۔وہ کانگریس سے اکتا چکے تھے،اسے سبق سکھانا چاہتے تھے، یوپی میں سماج وادی سے عوام کو بڑی امیدیں تھیں،لیکن مایوسی ہی ہاتھ لگی۔عوام کے سامنے بھارتیہ جنتا پارٹی کے علاوہ کوئی آپشن نہیں تھا۔مسلمان کانگریس کے لیے ایک بڑا ووٹ بینک تھے۔کانگریس کی اس دس سالہ حکومت نے انہیں بالکل نظر انداز کیا۔نتیجتاً وہ بھی کانگریس سے کنارہ کش ہوگئے۔ان حالات میں مودی نے عوام کو حسین سپنے دکھائے اورعوام نے انہیں وزارت عظمی کی کرسی تک پہنچانے کی ٹھان لی۔اب دیکھنا ہے کہ مودی تعبیر کی شکل میں عوام کو کیا دیتے ہیں؟

کانگریس کا زوال: آزادی سے قبل انڈین نیشنل کانگریس ایک تحریک تھی جس کے جھنڈے تلے ہندوستانیوں نے آزادی کی لڑائی لڑی اور ملک کو آزاد کرایا۔آزادی کے بعد ظاہر ہے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کی ذمہ داری عوام نے کانگریس ہی کے سپرد کی۔۱۹۵۰ء میں جمہوری نظام کا نفاذ ہوا۔

اس وقت یہ طرز نظام یورپ میں مقبول ہو چکا تھا۔ہندوستان جیسے کثیر المذاہب اور کثیر اللسان ملک میں جمہوریت ایک نئی شکل میں جلوہ گر ہوئی جس میں تمام مذاہب کا احترام اوراس کے پیروکاروں کو اپنے مذہب کے مطابق چلنے کی پوری آزادی تھی۔رنگ،نسل،ذات پات اور مذہب میں بغیر تفریق کے بنیادی حقوق حاصل تھے۔اس جمہوریت کو فروغ دینے کی ذمہ داری کانگریس نے اٹھائی۔آزادی کے بعد سے اب تک کانگریس نشیب وفراز کے کئی دور سے گذری۔

یہ دعوی کہ اپنے چالیس سالہ دور حکومت میں کانگریس نے کچھ نہیں کیا،حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ہندوستان جب اس کے ہاتھ میں آیا تو ایک چوسا ہوا آم تھا جس میں نام کا بھی گودا نہیں تھا۔کانگریس نے اسے ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔اس درمیان ہندوستان کو تین بڑی جنگیں جھیلنی پڑیں،مگر اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں آئی۔کانگریس کے ماضی کی شاندار وراثت اور جمہوریت کی آئیڈیالوجی دو ایسی چیزیں تھیں جس نے کانگریس کو ایسی سیاسی پارٹی بنا دیا جس کا کوئی حریف نہیں تھا۔دھیرے دھیرے تحریک آزادی کی قیادت کرنے والے رہنما رخصت ہوگئے۔۱۹۵۸ء میں مولانا ابوالکلام آزاد،۱۹۶۴ء میں پنڈت جواہر لال نہرو اور ۱۹۶۵ء میں لال بہادر شاستری دنیا سے جا چکے تھے۔غالباً ۱۹۶۷ء میں اندرا گاندھی نے قیادت کی باگ ڈور سنبھالی، انہوں نے کانگریس کو خالص سیاسی پارٹی بنا دیا۔اندرا گاندھی کے مزاج میں آمریت تھی،جس نے پارٹی کو نقصان پہنچایا اور پارٹی میں انقسام کا دور شروع ہوا۔۱۹۷۵ء میں ایمرجنسی کے نفاذ نے کانگریس کو عوام سے دور کردیا۔ایمرجنسی کے خاتمے کے بعد جے پی کے جھنڈے تلے ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیاں متحد ہوگئیں۔کانگریس حاشیے پر چلی گئی،لیکن متضاد نظریوں کی حامل ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹ گئی اور نئی نئی پارٹیاں بنتی گئیں۔اندرا گاندھی علاقائی طاقتور لیڈروں پر بھروسہ کرنے لگیں۔ان لیڈران کو خواہش کے مطابق مناصب نہیں ملے تو انہوں نے الگ پارٹیاں بنالیں۔انقسام در انقسام کا یہ عمل کانگریس کو کمزور کرتا رہا۔
یہ کانگریس کی خوش قسمتی تھی کہ کچھ حوادث نے اسے نئی زندگی دے دی۔۱۹۸۴ء میں اندرا گاندھی کے قتل کی وجہ سے

پورے ملک کے عوام ایک بار پھر کانگریس کے جھنڈا تلے اکٹھا ہوگئے۔ چارسو سے زیادہ سیٹیں کانگریس کوملیں اور راجیو گاندھی کی شکل میں ایک قائد ملا۔ راجیو گاندھی سیاست کے کھلاڑی نہیں تھے نہ اس کے داؤ پیچ سے واقف تھے مگر سیاست ان کے ڈی این اے میں تھا۔ اس سے قبل کہ کانگریس کو استحکام ملتا ان کا قتل ہوگیا اور دوبارہ عوام کی ہمدردیاں کانگریس کو مل گئیں، مگر کانگریس کا زوال شروع ہوچکا تھا، اس کے لیڈران بکھر چکے تھے، اس کے مدمقابل کئی حریف پارٹیاں طاقت ور بن چکی تھیں، خاص کر جن سنگھ جو آٹھویں دہائی میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی شکل میں تبدیل ہوچکی تھی، وہ ہندو کارڈ کے ذریعہ بھرپور توانائی حاصل کرچکی تھی۔ بابری مسجد کی شہادت اور نرسمہا راؤ (معاصر وزیراعظم) کے رویے نے اس کے ووٹ بینکوں کو سمیٹ دیا تھا۔ علاقائی پارٹیاں جو ذات پات یا علاقے کی بنیاد پر ابھریں وہ صوبائی سیاست پر حاوی ہوگئیں۔ ان میں زیادہ تر پارٹیاں سیکولر کی دعویدار تھیں۔ کانگریس کے مقابلے میں عوام نے ان کا دامن تھام لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

اکیسویں صدی کی آمد تک کانگریس ایک سمٹی سکڑی پارٹی بن گئی، جس کے پاس نہ کوئی زبردست قائد تھا نہ پارٹی ہی منظّم تھی، ایسے وقت میں سونیا گاندھی میدان میں آئیں۔ کانگریس میں انہوں نے نئی روح پھونکی۔ ان کے بیٹے راہل نے بھی سیاست میں قدم رکھا۔ ماں بیٹے نے کانگریس کی کشتی کو بھنور سے نکالنے کی کوشش کی۔ انہیں کامیابی تو ملی مگر کانگریس نے جو کچھ گنوایا تھا وہ واپس نہ مل سکا۔ وہ اپنے بل پر حکومت بنانے کے لائق نہیں رہ گئی۔ اس نے مختلف سیکولر پارٹیوں سے اتحاد کیا اور یو پی اے (یونائیڈ پروگریسیو الائنس) وجود میں آیا۔ دوسری طرف بھاجپا نے این ڈی اے (نیشنل ڈیموکریٹک الائنس) کے نام سے محاذ بنالیا۔ اب سیاسی لڑائی این ڈی اے اور یو پی اے میں سمٹ گئی۔ ۲۰۰۴ء میں کانگریس کو غیر متوقع طور پر کامیابی ملی۔ یہ کامیابی اسے اپنی مقبولیت کی بنا پر نہیں ملی بلکہ ۲۰۰۲ء میں گجرات میں ایک مخصوص فرقہ کے قتل عام نے پورے ملک کو دہشت زدہ کردیا۔ سول سوسائیٹیز نے عوام میں بیداری پیدا کی اور جمہوریت کو بچانے کی مہم شروع کی، جس کے نتیجے میں یو پی اے حکومت سازی میں کامیابی ہوئی۔ ۲۰۰۹ء میں بھی سیکولرازم کو بچانے کے لیے مجبوراً کئی سیکولر پارٹیوں نے یو پی اے کو اقتدار میں لادیا۔

کانگریس نے ماضی میں جو بھیانک غلطیاں کیں، ان کی وجہ سے آج کانگریس فنا کے کگار پر کھڑی ہے۔ میرے نزدیک کانگریس کی سب سے اہم اور بنیادی غلطی یہ تھی کہ وہ لیڈران کو مکمل سیکولر مزاج نہ بناسکی۔ جمہوریت ایسا نظریہ حکومت تھا جس سے ہندوستانی عوام ناواقف تھے۔ یہاں تو ذات پات اور دھرم کا غلبہ تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ کانگریس عوام کی ذہن سازی کے لیے قومی پیمانے پر لائحہ عمل بناتی۔ وہ عوام اور لیڈران دونوں کے مزاج کو جمہوری بنانے اور ان کی ذہن سازی میں ناکام رہی۔ دوسری طرف فرقہ پرست قوتیں بڑی عیاری اور چالاکی سے اپنے منصوبے پر کام کرتی رہیں۔ انہوں نے سیاست میں آغاز میں مطلق دخل نہیں دیا اور سماج کے مختلف طبقات میں اپنی جڑیں پیوست کرتی رہیں۔ اس میں کامیابی ملنے کے بعد سیاست میں سرگرم ہوئیں۔ وقتاً فوقتاً یہ قوتیں اپنے نظریات کو پرکھنے کے لیے ریہرسل بھی کرتی رہیں۔ کانگریسی حکومت باخبر ہوتے ہوئے بھی ان کے خلاف موثر عملی اقدام نہ کرسکی اور جب ہوش آیا تو معاملہ سر سے اوپر گذر چکا تھا۔

۱۹۸۰ء کے آس پاس سیاست میں کریمنلزم، کمیونلزم، کرپشن نے اپنی لابیاں بنانا شروع کیں، کانگریس تطہیری

اقدامات کرنے کے بجائے خود اپنا دروازہ ان کے لیے کھول دیا۔ ایک بہترین آئیڈیالوجی کے ہوتے ہوئے بھی وہ عام سی سیاسی پارٹی بن گئی۔ راہل اور سونیا کی قیادت بھی ان خامیوں کو دور نہ کرسکی۔ ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۴ء تک عوام نے انہیں دس سال کا موقع دیا مگر اتحاد کی من مانی کے سامنے منموہن سنگھ اور سونیا بالکل بے بس اور مجبور نظر آئیں۔ ۲۰۱۴ء کے الکشن میں کانگریس نے جیسے پہلے ہی سے ہتھیار ڈال دیا۔ بھاجپا کی تنقیدوں اور جارحانہ انداز کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اپنے ایشوز اور آئیڈیالوجی کی تشہیر بھی نہ کرسکی۔ اس دوران اس نے جو کارنامے انجام دیئے مثلاً آرٹی آئی، منریگا، ترقی وغیرہ انہیں ہائی لائٹ بھی نہ کرسکی۔ اس کے بڑے لیڈران عوام کے روبرو جانے سے خوف کھاتے تھے۔ ایسے لوگ سامنے نہ آسکے جو کانگریس کے ورکروں کی رہنمائی کرتے، ان کا حوصلہ بڑھاتے۔ کانگریس کی دوسری پالی میں بدعنوانیوں کا جو سیلاب آیا وہ بے لگام اتحادی پارٹیوں اور خود کانگریس کے بعض لیڈران کی دین تھا۔ کانگریس انہیں روک نہیں سکی۔ اس ایشو نے کانگریس کے تمام کارناموں پر پردہ ڈال دیا۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ کانگریس اگر اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنا چاہتی ہے تو اپنی ماضی کی خامیوں کا جائزہ لے۔ فرقہ پرست اور جرائم پیشہ سے پارٹی کو پاک کرے۔ مخلص، ایماندار اور سیکولر مزاج لیڈروں کو آگے بڑھائے۔ سیاست میں کنبہ پروری پر قدغن لگائے۔ جمہوریت کے تحفظ کو اپنا بنیادی ایجنڈا بنائے۔ مسلم قوم جس نے ہر موقع پر کانگریس کا ساتھ دیا تھا مگر کانگریس نے اپنے عمل سے اسے ناراض کردیا، اس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی آئیڈیالوجی ہی اس کی واپسی کا سبب بن سکتی ہے بشرطیکہ سیاست کی نجاست سے اسے پاک کرے، تکثیریت میں وحدت تلاش کرے۔

نریندر مودی کا وزارت عظمی کی کرسی پر جلوہ افروز ہونے میں اب کوئی شبہ نہیں اور جلد ہی وہ ہندوستان کے وزیراعظم ہوں گے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ ایک ایسی تنظیم کے پرچارک رہے ہیں جو ہندوستان کی تکثیریت کی نفی کرکے وحدت چاہتی ہے۔ اب وہ ایک ایسے ملک کے وزیراعظم بننے جارہے ہیں، جس میں جمہوری آئین سب سے بالا ہے، جس میں سب کو یکساں طور پر جینے اور زندگی گذارنے کا حق ہے۔ اب انہیں ہندتو کے ایجنڈا کو پس پشت ڈالنا ہوگا اور پورے ملک کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا، جیسا کہ انہوں نے وعدہ کیا ہے، ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے ڈر اور خوف کو دور کرنا ہوگا، جمہوریت کو مستحکم کرنا ہوگا۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو یقیناً ملک کو ترقی کا ماڈل بناسکیں گے۔ عوام نے ساری پارٹیوں کو چھوڑ کر ان کی لہر کو آندھی میں تبدیل کیا ہے تو محض اس امید پر کہ وہ عوامی مسائل کو اولین ترجیحات میں شامل کریں گے۔ مودی کے سامنے مسائل اور چیلنجز بہت ہیں، عوام کی امیدیں بھی بہت زیادہ ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ ان کی کرشماتی شخصیت انہیں کیسے حل کرتی ہے۔

تیرے آنے سے پہلے: الیکشن کے ہنگاموں کے دوران ایک بار پھر آسامی مسلمانوں پر بوڈو قبائل کا قہر ٹوٹ پڑا۔ ان کا قصور محض اتنا تھا کہ انہوں نے اپنے من پسند امیدوار کو ووٹ دیا۔ اس کی سزا یہ ملی کہ انہیں گولیوں سے بھون دیا گیا۔ سرکاری ذرائع کے مطابق اکتالیس مسلمان مارے گئے۔ لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر نقل مکانی کرگئے۔ ۱۹۶۷ء سے بنگلہ دیشی کے نام پر مسلسل ان کی نسل کشی کی جارہی ہے۔ من موہن سنگھ آسام ہی سے انتخاب لڑتے ہیں۔ وہاں کانگریس کی حکومت بھی ہے۔ کانگریس حکومت آج تک ان کا کوئی حل نہیں نکال سکی اور نہ انہیں تحفظ دے سکی۔ امید ہے کہ نریندر مودی ان کے زخموں پر مرہم رکھیں گے، اور اس کا مستقل حل نکالیں گے۔ ☆☆☆

انسان اور معاشرے پر
گناہوں کے مہلک اثرات

ڈاکٹر عبدالرحمٰن السدیس
امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

لوگو! اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو۔ اللہ تعالی کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اس امت کو راہ حق کا پیشوا بنایا، خاتم الانبیاء والرسل کی بعثت کے لیے اس امت کا انتخاب فرمایا، ان کی رہنمائی کے لیے بہترین کتاب نازل فرمائی۔ جب تک وہ اس دین سے وابستہ رہیں، ان کے لیے شرف ومرتبہ اور نصرت ومدد کا وعدہ فرمایا، چنانچہ ایک طویل عرصے تک فرزندان ملت اسلامیہ دنیا کی امامت وقیادت کرتے رہے، پھر ان کی عظمت ذلت سے اور شوکت نکبت سے بدل گئی، مختلف قومیں ان پر ٹوٹ پڑیں، چاروں طرف سے ان پر حملے ہونے لگے، ہر طرف ان کو شکست اور پسپائی ہونے لگی۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے جن کی وجہ سے ہم نے اپنا مقام کھودیا، ہماری عزت ذلت میں تبدیل ہوئی اور اوج ثریا سے ہمیں تحت الثری پھینک دیا گیا؟ اس کا تجزیہ کیا جائے تو اس کا اہم سبب گناہوں سے آلودہ ہماری زندگی اور اللہ تعالی کی نافرمانی ہے، کیونکہ یہ قانون الہی ہے جسے کوئی فرد یا جماعت بدل نہیں سکتی کہ جب تک کوئی قوم اپنے رب کے حکم اور نبی کے راستے پر گامزن ہوگی وہ ترقی کی منزلیں طے کرتی جائے گی اور اس کے لیے اللہ کی نصرت آتی رہے گی، لیکن اگر کوئی قوم اپنے خالق سے بغاوت کرے اور نبی کا راستہ چھوڑ دے تو پھر اللہ تعالی کا قانون رنگ ونسل اور خاندان کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کا انصاف سب کے لیے برابر اور قانون ہر ایک کے لیے یکساں ہے، پھر وہ اس باغی قوم کے خلاف حرکت میں آجاتا ہے اور اسے مقام بلند سے اٹھا کر پستیوں میں پھینک دیتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾(۱)

''بے شک اللہ تعالی کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو بدل نہ ڈالے''۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾(۲)

''اور جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچتی ہے، وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے اور بہت سی چیزوں کو وہ معاف کر دیتا ہے''۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) الرعد:۱۳:۱۱۔ (۲) الشوری:۴۲:۳۰۔

"إن الله يغار، وغيرة الله أن يأتي المؤمن ما حرم الله".(۱)

''بے شک اللہ کو بھی غیرت آتی ہے اور اللہ کو غیرت اس وقت آتی ہے جب کوئی مومن اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کرے''۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

رأيت الذنوب تميت القلوب

وقد يورث الذل إدمانها

وترك الذنوب حياة القلوب

وخير لنفسك عصيانها

''میں نے دیکھا کہ گناہ دلوں کو مردہ کردیتے ہیں اور آدمی کو ہمیشہ کی ذلت میں مبتلا کردیتے ہیں، ترک معاصی میں دلوں کی زندگی ہے، تمہارے لیے گناہوں سے بچنے میں بھلائی ہے''۔(۲)

عزیز بھائیو! گناہوں کا افراد اور قوموں کی زندگی پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''معاصی اور گناہوں کا انسانی جسم پر ویسا ہی اثر ہوتا ہے جس طرح کوئی زہر اسے نقصان پہنچاتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی بربادی گناہوں سے آلودگی کے باعث ہے۔ کیا آپ نے غور کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے کیوں نکالا گیا؟ کیا آپ نے سوچا کہ ابلیس کیوں راندۂ دربار الٰہی ہوا؟ کس سبب سے وہ موجب لعنت ٹھہرا؟ اور کیوں اس پر ہمیشگی کی ذلت طاری کردی گئی؟ جنت سے اٹھا کر جہنم میں کیوں جھونک دیا گیا؟ سابقہ اقوام کی تباہی کیونکر آئی؟ قوم عاد پر آندھیوں کا عذاب کیوں مسلط ہوا؟ جس کی وجہ سے یہ تندرست وتوانا قوم کٹے ہوئے درخت کے تنوں کی طرح پڑی رہی؟ قوم ثمود کے کلیجے کیوں پھٹ گئے؟ قوم لوط کی بستیوں کو کیوں تلپٹ کردیا گیا؟ کیوں ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے؟ قوم شعیب کو کیوں سائبان کے ہیبت ناک عذاب میں مبتلا کیا گیا؟ ان پر دہکتے ہوئے انگاروں کی بارش کیوں برسائی گئی؟ فرعونیوں کو کس وجہ سے غرق کیا گیا؟ اور کیوں ان کو جہنم میں پھینکا گیا؟ قارون کو اس کی دولت سمیت زمین میں کیوں دھنسا دیا گیا؟ قوم نوح کے بعد مختلف قوموں کو مختلف عذابوں میں کیوں مبتلا کیا گیا؟ بنی اسرائیل کے خلاف سخت گیر قوم کو کیوں مسلط کیا گیا:

﴿فَإِذَا جَاء وَعْدُ أُولاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَاداً لَّنَا أُوْلِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُواْ خِلاَلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْداً مَّفْعُولاً﴾.(۳)

(۱) صحیح البخاری، حدیث:۵۲۲۳، وصحیح مسلم، حدیث:۲۷۶۱۔

(۲) یہ ترجمہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے منسوب اشعار کا ہے، الجواب الکافی لابن قیم ص:۸۴، وشرح العقیدۃ الطحاویۃ ص:۲۳۵۔

(۳) سورہ اسراء:۵۔

''ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم تمہارے مقابلے پر اپنے طاقتور بندوں کو کھڑا کردیں گے، وہ تمہارے گھروں کے اندر گھس جائیں گے، اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا''۔

کس نے ان کے مردوں کو تہ تیغ کیا؟ بچوں اور عورتوں کو پس زندان کیا؟ کس نے ان کی جائداد اور دھن دولت کو آگ لگادی، پھر دوبارہ ان پر اسی طرح کا عذاب مسلط کیا گیا۔

﴿وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيراً﴾. (۱)

''اور پھر دوبارہ جس جس پر قابو پائیں گے جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے''۔

پھر ان پر عذابوں کا سلسلہ مسلط کیا گیا، کبھی ان کی ہلاکت وخونریزی کی گئی، کبھی ظالم حکمرانوں نے انہیں اپنے ظلم کا نشانہ بنایا، کبھی ان کے چہرے مسخ کرکے انہیں بندر اور خنزیر کی شکل میں بدل دیا گیا اور ایک سے بڑھ کر ایک سخت ذلت آمیز عذاب آیا۔

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ﴾ (۲)

''وہ وقت یاد کرو جب آپ کے رب نے یہ بات بتلادی وہ ان یہودیوں پر قیامت تک ان لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو انہیں شدید تکلیف پہنچاتے رہیں''۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی شرح وبسط سے گناہوں کے اثرات کا ذکر کیا ہے کہ دنیا اور آخرت میں افراد اور قوموں پر معاصی کے کیا کیا نقصانات ہوں گے، یہ اثرات ونقصانات کبھی علم سے محرومی، رزق میں بے برکتی، تنگی اور ظلمت کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی قلب وبدن کی کمزوری، اطاعت سے دوری اور ذلت کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ (۳)

''جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کردے اسے کون عزت بخش سکتا ہے، بے شک اللہ جو چاہے کرتا ہے''۔

معاصی کے مزید نقصانات کبھی عقل وخرد کی بربادی کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور کبھی پست ہمتی، بے ضمیری، بے غیرتی، زوال نعمت، ذلت کی مار، خوف ورعب، پریشانی، بصیرت کی قلت، بارش کی کمی اور مختلف قسم کی پریشانیوں کی شکل میں دنیا میں، قبر میں اور آخرت میں ظاہر ہوتے ہیں، غرض گناہوں کا ہر نقصان ایک دوسرے سے بڑا اور ہر تباہی دوسری تباہی سے زیادہ عبرتناک صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں اس کی صراحت اس قدر صاف صاف کردی گئی ہے کہ شک وشبہ کی ادنی سی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔

---

(۱) سورہ اسراء:۷۔ (۲) الأعراف:۷:۱۶۷، والجواب الکافی ص:۶۱-۶۲۔
(۳) الحج:۲۲:۱۸۔

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾(۱)

''بلا شبہ عبرت ہے اس میں ان کے لیے جو ہوش مندی کا مظاہرہ کریں، بات توجہ سے سنیں اور حاضر ہوں''۔

اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾.(۲)

''ہر شخص اپنے گناہ کے بدلے گرفت میں لیا گیا، ان میں کچھ ایسے ہیں جنہیں سخت آندھی سے ختم کیا گیا، کچھ خوفناک چنگھاڑ کے ذریعہ اور بعض کو زمین میں دھنسادیا گیا اور بعض کو غرق کیا گیا، یقیناً تمہارے رب نے ان میں سے کسی پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کررہے تھے''۔

شاعر نے کیا خوب کہا:

إذا كنت في نعمة فارعها
فإن المعاصي تزيل النعم
وداوم عليها بشكر الإله
فشكر الإله يزيل النقم

''اگر تمہیں کسی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہے تو اس کی حفاظت کرو، کیونکہ گناہ زوال نعمت کا سبب ہیں۔نعمت کو اللہ کے شکر کے ذریعے باقی رکھا جاسکتا ہے اور شکر الٰہی سے اللہ کا غیظ وغضب بھی ٹل جاتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''نیکی سے چہرے پر رونق، دل میں نور، رزق میں وسعت، بدن میں قوت اور مخلوق کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور گناہ سے چہرہ پژمردہ، قلب اور قبر کی تاریکی، جسم میں کمزوری، رزق میں قلت اور لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے''۔(۳)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اللہ کے نافرمان چاہے سخت جان خچروں پر سوار ہوجائیں یا سبک رفتار گھوڑوں پر، حقیقی عزت وسرفرازی حاصل نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ گناہوں کا بوجھ ان کے دلوں کی راحت چھین لے گا، اللہ تعالی کا فیصلہ ہے کہ اس کے نافرمانوں کا سر نیچا ہوجائے''۔(۴)

(۱)ق:۵۰:۳۷۔ (۲)العنکبوت:۲۹:۴۰۔
(۳)الجواب الکافی ص:۷۸۔ (۴)الجواب الکافی ص۸۴۔

عزیزان گرامی! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے گناہوں کی سنگینی کا جائزہ لیں اور یہ حقیقت سمجھ لیں کہ ہماری ذلت اور پستی کا بنیادی سبب خود ہماری بداعمالیاں ہیں۔ہمیں چاہیے کہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ دیں، اصلاح ترک معاصی اور گناہوں سے توبہ کے ذریعے ہوتی ہے، نیز دانشوروں کو بھی غور کرنا چاہیے کہ اس وقت جو ہر طرف بدامنی اور فتنہ وفساد کا دور دورہ ہے، خانہ جنگیوں کی کثرت ہے، لوٹ مار اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے، نت نئی بیماریوں کی وبا پھیل رہی ہے، کہیں یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی کرتوتوں کا نتیجہ تو نہیں؟ کیونکہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَاباً صَعَداً﴾. (۱)

''جو اللہ کے ذکر سے اعراض کرے گا اس پر سخت عذاب مسلط کر دیا جائے گا''۔

مزید فرمایا:

﴿أَفَأَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُواْ السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللّهُ بِهِمُ الأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لاَ يَشْعُرُوْنَ، أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِيْنَ، أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَؤُوفٌ رَّحِيْمٌ﴾. (۲)

''کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کیں اس بات سے بے خوف ہوگئے کہ اللہ تعالی انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر اس طرح عذاب لے آئے جسے وہ محسوس ہی نہ کرسکیں یا اس وقت انہیں اپنی لپیٹ میں لے جب وہ سو رہے ہوں، وہ اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے یا انہیں حالت خوف آدبوچے، بے شک تمہارا رب بہت کرم کرنے والا اور مہربان ہے''۔

اگر ہم اپنے آس پاس مختلف علاقوں اور قوموں پر نازل ہونے والی بلاؤں اور مصیبتوں کا جائزہ لیں تو یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اس کا اہم سبب ان کے گناہ اور عیش پرستی ہے۔گناہوں میں اتنی دیدہ دلیری کہ عقائد، اعمال اور اخلاقیات ہر چیز اس کی لپیٹ میں آگئی، عقائد میں شرک، ترک سنت، بدعات اور خرافات میں دلچسپی بڑھنے لگی اور اعمال کا یہ حال ہے کہ حدود اللہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہورہی ہے اور اخلاقیات کا تو کہنا ہی کیا، الامان والحفظ! فسق وفجور کا بازار ہر طرف گرم ہے، نہ اس پر کسی کو اعتراض ہے نہ نکیر کی فرصت، الا ماشاء اللہ! پھر ہمارا میڈیا خصوصا الیکٹرانک میڈیا تو جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کرر ہاہے، اسی میڈیا کے ذریعہ برائیوں کو اتنی خوبصورتی سے عام کیا گیا کہ لوگ سینہ زوری کے ساتھ برائی کرنے لگے، ان کے دل سے احساس زیاں تک جاتا رہا، حالانکہ قدرت کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے: ﴿إن ربك لبالمرصاد﴾ ''(۳) اور بے شک تمہارا رب گھات لگائے ہوئے ہے''۔

یہ افسوس ناک حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ حکام، قائدین، علماء، داعیان دین اور دانشوران ملت اسلامیہ کومل

---

(۱) الجن:۷۲:۱۷۔

(۲) النحل:۱۶:۴۵-۴۷۔

(۳) الفجر:۸۹:۱۴۔

بیٹھ کر سوچنا چاہیے کہ گناہوں کے اس سیلاب کے آگے بند کس طرح باندھا جائے۔اس معاملے پر عمل کرنے کی ہنگامی بنیادوں پر ضرورت ہے تا کہ وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے، مایوسی کی گھٹاٹوپ تاریکی میں ہلکی سی روشنی ایمان کی حرارت والوں کی طرف سے دکھائی دے رہی ہے، بعض لوگوں کی اصلاح پسندانہ کوششوں کے مثبت نتائج دیکھنے میں آرہے ہیں اور عالم اسلام میں بیداری کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے چلنے لگے ہیں، جن سے ان شاء اللہ عالم اسلامی مستفید ہوسکتا ہے۔

﴿وَمَا ذَلِکَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ﴾(۱)

''یہ بات اللہ تعالی کے لیے بھاری نہیں''۔

لوگو! اللہ کا تقوی اختیار کرو اور جان لو کہ جب بھی کسی علاقے میں گناہوں کی کثرت ہوتی ہے وہ برباد ہو جاتا ہے، جس دل میں برائیاں گھر کر لیتی ہیں وہ مردہ ہو جاتا ہے، جس جسم میں ان کو جگہ ملتی ہے وہ ناکارہ ہو جاتا ہے، جس قوم میں یہ عام ہوتی ہیں اسے ذلیل کر دیتی ہیں اور جس سوسائٹی میں پھیلتی ہیں اسے اجاڑ دیتی ہیں۔ برائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی ذمہ داری کلمہ گو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیته"۔(۲)

''تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا''۔

ہر شخص اپنی ذمہ داری پوری کرے۔اپنی، اپنے گھر کی اور اولاد کی تربیت پر خصوصی توجہ دے تا کہ ان میں خیر کا جذبہ راسخ ہو، منکرات سے نفرت ہو اور اپنی طاقت کے مطابق معاشرے کو پاک کرنے کی جستجو ہو، کیونکہ جب بھی کوئی بلا اور آفت نازل ہوتی ہے وہ گناہ کے سبب سے ہوتی ہے اور توبہ کے ذریعہ دور ہوتی ہے، لہذا ہمیں بکثرت استغفار اور عملی توبہ کی سنجیدگی سے فکر کرنی چاہیے، شاید ہمارا سوز دل اور ہماری تڑپ اللہ کو پسند آجائے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

''کہہ دیجئے، اے میرے بندو! جنہوں اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ تعالی تمہارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، یقیناً وہ غفور اور رحیم ہے''۔(۳)

درود وسلام پڑھیے جناب خیر الوری رسول مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر۔

☆☆☆

(۱) إبراهيم:۱۴:۲۰، وفاطر:۳۵:۱۷۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث:۸۹۳، وصحیح مسلم، حدیث:۱۸۲۹۔

(۳) الزمر:۳۹:۵۳۔

توحیداورشرک سے متعلق امثال قرآنی

ابوالبیان رفعت سلفی راڈپی کرناٹک

بیشک اسلام دین توحید ہے جس میں عقیدۂ توحید ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، کوئی مسلمان جملہ عقائد اور تمام عبادات ومعاملات میں خواہ کتنا ہی کھرا کیوں نہ اتر جائے لیکن اگر اس کے عقیدۂ توحید میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوگیا اور وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوگیا اور اسی پر اس کی موت ہوگئی تو بروز قیامت ایسے مسلمان کے تمام اعمال صالحہ رائگاں و برباد کردیے جائیں گے اور اسے ہمیشہ کے لئے عذاب جہنم میں داخل کردیا جائے گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُوراً﴾ (سورۃ الفرقان:۲۳)''اور جوانہوں نے عمل کئے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کردیں گے۔ مشرکوں پر جنت کو حرام ٹھہرا کر انہیں ہمیشہ کا جہنمی قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُواْ إِنَّ اللّهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اعْبُدُواْ اللّهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ أَنصَارٍ﴾ (سورۃ المائدہ:۷۲) بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسیح، اللہ ہیں حالانکہ مسیح یہودیوں سے کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کیساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر جنت کو حرام کردے گا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی اکثریت توحید وشرک کے فرق کو فراموش کرکے بدعقیدگی کی زندگی گزار رہی ہے، اور اسی بدعقیدگی کو وہ اپنے لئے راہ نجات تصور کرتی ہے، ایسے وقت میں علماء امت کا یہ فرض منصبی ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے توحید و شرک کی کھلم کھلا وضاحت فرمائیں، اور افراد امت کو مشرکانہ عقائد واعمال سے منع کرکے انہیں خالص توحید وسنت کی زندگی گزارنے کی تلقین کریں، اسی احساس ذمہ داری کے تحت میں نے اپنے اس مضمون میں چند قرآنی مثالوں کے ذریعہ توحید و شرک کی حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ رب ذوالجلال میری اس کوشش کو قبول فرمائے، آمین

(۱) پہلی مثال: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ☆ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (سورۃ الحج:۷۳،۷۴)''لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کیلئے سب مجتمع ہوجائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اُسے اُس سے چھڑا نہیں سکتے طالب اور مطلوب (یعنی عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں''۔

علامہ عبدالرحمٰن ناصر السعدی رحمہ اللہ مذکورۃ آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ'' يَا أَيُّهَا النَّاس'' کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت مومن وکافر دونوں کو خطاب فرمایا ہے، مومنوں کو اس لئے تاکہ ان کے فہم وبصیرت اور ایمان

ویقین میں مزید اضافہ ہوجائے، اورکافروں کواس لئے خطاب فرمایا ہے تاکہ (توحیدوشرک کے فرق کوواضح کرنے کی) حجت ان پر قائم ہوجائے۔اور''إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّه'' سے اللہ کے سواجن لوگوں کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ تمام لوگ مراد ہیں۔(تفسیر السعدی ج اص ۵۴۶)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ﴿وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئاً لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْه﴾ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ: کفارومشرکین اپنے بتوں پر زعفران اورشہد ملتے تھے جب وہ سوکھ جاتی تو مکھیاں آکراس پر بیٹھتیں اوراسے لے کراڑ جاتیں (تفسیر القرطبی ج ۱۲ اص ۹۷)

ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب مشرکین مکہ اپنے بتوں کوخوشبولگانا چاہتے تو وہ اسے مٹھائی اورشہد میں گوندھ کر لگاتے تھے، پھرمکھیاں اس پرٹوٹ پڑتیں اوراسے چھین چھین کراڑنے لگتیں (تفسیر زادالمسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی)

علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ہرانسان کواس مثال میں خوب غوروخوض کرنا چاہئے کیونکہ یہ مثال دل سے شرک کی جڑیں کاٹ دیتی ہے، سنئے! معبودکوکم ازکم اتنی سکت وطاقت والا ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے عابدوں کے نفع کے لئے کوئی چیز پیدا کرسکے ۔یا انہیں نقصان و ضرر پہنچانے والی چیزوں کوغارت وبربادا ورختم کرسکے۔اب غورکرلیجئے کہ دنیا کے وہ تمام معبود جن کی پرستش دنیا کے مختلف لوگ کرتے ہیں وہ سب مل جل کراپنی پوری طاقت خرچ کرکے کسی بڑی مخلوق کوپیدا کرنا توکہاں؟ چھوٹی سے چھوٹی ذلیل مخلوق یعنی ایک مکھی کوبھی پیدانہیں کرسکتے۔اس سے بھی زیادہ ان کی بے بسی اوربے کسی ملاحظہ ہوکہ جوخوشبو یا جوچڑھاوا معبودان باطل پر چڑھاتے ہیں اگراس پرمکھی بیٹھ کراس میں سے اپنا حصہ لے کراڑ جائے تو یہ بے کس، یہ مجبور(معبودان باطل) تو اس سے اپنا حصہ بھی واپس نہیں لے سکتے۔ جب انہیں نہ توکسی چیز کے موجودکرنے کی قدرت ہے نہ کسی چیز کومفقودکرنے کی قدرت بلکہ ایسے کمزورو ناتواں کہ اپنی چیزکی بھی حفاظت نہ کرسکیں پھریہ عبادت کے لائق کیسے ہوگئے؟اورجب یہ معبودومطلوب ایسے ہیں تو ان کے عابدوطالب کیسے ہوں گے؟ درحقیقت دونوں ہی انتہا درجے کے بودے کمزوراور بے طاقت ہیں،ایک عاجز دوسرے عاجز سے چمٹ جائے،ایک ڈوبتا دوسرے ڈوبتے کے کندھے کوتھامے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں جلد ہی ڈوب کرمرجائیں گے۔پس قوتوں کے مالک،عزتوں کے دھنی،خالق ارض وسما کوچھوڑکران بودوں ضعیفوں کی عبادت کرنے والے اللہ کے قدر دان نہیں، نہ اللہ کوانہوں نے پہچانا ہے، نہ اس کی تعظیم وعزت ان کے دلوں میں ہے۔شرک کے بطلان میں یہ کیسی واضح دلیل ہے۔کتنی اعلیٰ مثال ہے۔ان مشرکوں کی جہالت، ان کی بے عقلی، ان کا بچپن اس سے یہ کس قدرصاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔(تلخیص از اعلام الموقعین اردوج اص ۱۳۸، ۱۳۹،تفسیر القرآن الکریم لابن القیم ج اص ۳۸۵)

ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ﴾ میں ہرقسم کے معبودان باطل (خواہ وہ پتھروں میں سے ہوں، یا درختوں میں سے ہوں، یا قبروں اور مزاروں میں سے ہوں، یا فرشتوں میں سے ہوں، یا انبیاء میں سے ہوں، یا صالح مومنوں میں سے ہوں سب) مل کرایک مکھی بھی پیدانہیں کرسکتے اس لئے کہ مخلوق خالق نہیں ہوسکتا،اورجب تمام معبودان باطل مخلوق ہی قرار پائے تو وہ اللہ کے

ساتھ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟(اعانۃ المستفید بشرح کتاب التوحید ج۱ص۲۰۴)

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں کہ: یہ معبودان باطل جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر مدد کے لئے پکارتے ہو، یہ سارے کے سارے جمع ہو کر ایک نہایت حقیر سی مخلوق مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔اس کے باوجود بھی تم انہیں کو اپنا حاجت روا سمجھو، تو تمہاری عقل قابل ماتم ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی رہی ہے، وہ صرف پتھر کی بے جان مورتیاں ہی نہیں ہوتی تھیں، (جیسا کہ آج کل قبر پرستی کا جواز پیش کرنے والے لوگ باور کراتے ہیں) بلکہ یہ عقل وشعور رکھنے والی چیزیں بھی تھیں۔یعنی اللہ کے نیک بندے بھی تھے جن کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کو اللہ کا شریک ٹھرالیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ سب اکٹھے بھی ہو جائیں تو ایک حقیر ترین شئے مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، محض پتھر کی مورتیوں کو یہ چیلنج نہیں دیا جا سکتا(تفسیر احسن البیان ص۹۳۶)

علامہ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخؒ فرماتے ہیں کہ: تمام آیات میں ''من دونہ'' سے ہر وہ غیر اللہ مراد ہے جس کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ استمداد کے قابل ہے، چاہے کوئی ولی ہو، یا کوئی شیطانی طاقت، جو خود اپنی مدد نہیں کر سکتا وہ بھلا دوسروں کی کیا امداد کرے گا''۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ:''یہ بات بے دلیل اور غلط ہے اور اس پر طرہ یہ کہ شرک عظیم ہے''(ہدایۃ المستفید اردو ترجمہ فتح المجید ج۱ص۴۹۳)

(۲)دوسری مثال:﴿ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لاَ يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلاَّ كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلاَّ فِي ضَلاَلٍ﴾(سورۃ الرعد:۱۴)''اور جو اوروں کو اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہیں وہ ان (کی پکار) کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں پانی پڑ جائے حالانکہ وہ پانی اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں، ان منکروں کی جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے''۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے﴿إِلاَّ كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ﴾ کی تفسیر میں پانچ اقوال نقل فرمائے ہیں:

(۱) پہلا قول یہ کہ(معبودان باطل کو پکارنے والوں کی مثال) اس پیاسے شخص جیسی ہے جو اپنے ہاتھوں کو کسی کنویں کی طرف بڑھائے تاکہ پانی خود بخود کنویں کی تہ سے اٹھ کر اس کے منہ میں داخل ہو جائے اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ۔یہ علیؓ اور عطاءؒ کا قول ہے۔

(۲)دوسرا قول یہ کہ(معبودان باطل کو پکارنے والوں کی مثال) اس پیاسے شخص سی ہے جو اپنی ہتھیلی میں پانی رکھ کر اسے آواز دے کہ پانی اٹھ کر اس کے منہ میں داخل ہو جائے جبکہ وہ خود اپنی ہتھیلی کو اپنے منہ تک نہ اٹھائے۔اس قول کو عوفی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ کہ(معبودان باطل کو پکارنے والوں کی مثال) اس پیاسے شخص کے مانند ہے جو پانی کے بارے میں یہ خیال کرے کہ وہ اسے دور ہی سے حاصل کرلے گا اور اسے حاصل نہ کر سکے۔اس قول کو ابن ابی طلحہ نے ابن عباسؓ سے

روایت کیا ہے۔

(۴) چوتھا قول یہ کہ (معبودان باطل کو پکارنے والوں کی مثال) اس پیاسے شخص کی طرح ہے جو پانی کو صرف اپنے ہاتھ کے اشارے اور زبان سے آواز دے کہ پانی اس کے پاس آجائے لیکن پانی اس کے پاس کبھی نہ آسکے۔ یہ قول مجاہدؒ کا ہے۔

(۵) پانچواں قول یہ کہ (معبودان باطل کو پکارنے والوں کی مثال) اس پیاسے انسان جیسی ہے جو اپنی ہتھیلیوں کو اس ارادہ سے پھیلائے ہوتا کہ پانی کو پکڑ کر اپنے منہ میں داخل کرلے لیکن ایسا نہ کر سکے گا۔

اور عرب کبھی نہ ملنے والی چیز تلاش کرنے والے شخص کی مثال دیتے ہوئے کہتے تھے: **فهو القابض على الماء** ''وہ شخص تو پانی پکڑنے والے شخص کی طرح ہے'' (زادالمسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی تفسیر سورۃ الرعد)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مثال مذکور کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جیسے کوئی پیاسا شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو کہ اس کے منہ میں (پانی) خود بخود پہنچ جائے، تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہ کفار ومشرکین جنہیں پکارتے ہیں اور جن سے امید رکھتے ہیں وہ ان کی امیدیں پوری نہیں کر سکتے، یا جس طرح اگر کوئی شخص اپنی مٹھیوں میں پانی بند کرلے تو وہ (پانی مٹھی میں) نہیں رہ سکتا بالکل اسی طرح مشرک اللہ کے سوا دوسروں کو گو پکاریں۔ لیکن رہیں گے محروم ہی۔ دین دنیا کا کوئی فائدہ انہیں نہ پہنچے گا۔ ان کی پکار بے سود ہے (تفسیر ابن کثیر اردو ج۳ ص ۳۶)

(۳) تیسری مثال: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاء كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (سورۃ العنکبوت: ۴۱) ''جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) کارساز بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے کاش یہ (اس بات کو) جانتے''۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ مثال مذکور کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: مشرکین خود ضعیف ہیں اور ان کے اولیاء تو ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔ پس وہ اپنی کمزوری میں اور انہیں اولیاء بنا رکھنے میں ایسے ہی ہیں جیسے مکڑی اور اس کا جالہ۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ کمزور اور کوئی گھر نہیں پس مشرکین جس کھونٹے پر کود رہے ہیں وہ کھونٹا بھی کمزور ہے اس سے تو ان کی کمزوری اور بڑھ گئی ہے۔ (اعلام الموقعین اردو ج اص ۱۲۱)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ﴿وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ﴾ کی تفسیر ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ: **اِنّ بَيْتَ الْعَنْكَبُوتِ لَا يَقِيهَا مِنْ حَرٍّ وَلَا بَرْدٍ كَذٰلِكَ الْآلِهَةُ لَا تَنْفَعُ مَنْ عَبَدَهَا فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الآخِرَةِ** ''جس طرح مکڑی کا گھر اسے موسم کی سردی گرمی سے نہیں بچا سکتا بالکل اسی طرح یہ معبودان باطل بھی اپنے عابدوں اور اپنے پرستاروں کو دنیا وآخرت میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے (تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ)

علامہ عبدالرحمٰن ناصر السعدی رحمہ اللہ ﴿كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: مکڑی ایک کمزور جانور ہے جس کا گھر بھی انتہائی کمزور ہوتا ہے اور وہ اپنے گھر کو جتنا زیادہ مضبوط بنانے کی کوشش کرتی ہے اس کا گھر اتنا ہی زیادہ کمزور ہوتا جاتا ہے، اللہ کے علاوہ دوسروں کو کارساز بنانے والے (مشرکین) بھی بالکل اسی مکڑی کی طرح ہر اعتبار سے عاجز وبے بس

ہیں، اور جب یہ مشرکین اللہ کے علاوہ اوروں کو اپنا کارساز بناتے ہیں تو یہ خود اپنے ان کارسازوں کی مدد اور حفاظت بھی کرتے ہیں نتیجتاً ان مشرکوں کی کمزوری بڑھتی ہی چلی جاتی ہے، اور اپنے اکثر معاملات اپنے کارسازوں کے حوالے کرکے انہیں پر بھروسہ کرکے بیٹھ جاتے ہیں کہ وہ کارساز ضرور ان کی بگڑی بنادیں گے، بالآخر یہ ذلیل ہوجاتے ہیں اور انہیں اپنے کارسازوں سے ذرہ برابر بھی نفع وفائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر یہ مشرک اپنی اور اپنے کارسازوں کی حقیقت کو اس طرح بخوبی سمجھتے ہوتے تو کبھی بھی یہ انہیں اپنا کارساز نہ بناتے، بلکہ ان سے اظہار براءت کرکے صرف اسی قادر ومہربان رب (اللہ عزوجل) ہی کو اپنا کارساز بنا لیتے، کیونکہ جب کوئی بندہ اسے اپنا کارساز بنا کر مکمل طور سے اسی پر بھروسہ کرلیتا ہے تو وہ قادر ومہربان رب (اللہ عزوجل) اپنے اس بندے کی دنیاوی واخروی ہر طرح کی ضروریات کو پوری کرنے کے لئے کافی ہوجاتا ہے، اور اس طرح اس بندے کے جسم اسکے دل اس کے حالات اور اس کے اعمال کی قوت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ (تفسیر السعدی ج ۱ ص ۶۳۱)

(۴) چوتھی مثال: ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً رَّجُلاً فِيهِ شُرَكَاء مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلاً سَلَماً لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لا يَعْلَمُونَ" (سورۃ الزمر: ۲۹) اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی ۱۰ آدمی) شریک ہیں (مختلف المزاج اور) بدخواور ایک آدمی خاص ایک شخص کا (غلام) ہے بھلا دونوں کی حالت برابر ہے؟ (نہیں) الحمد للہ بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔

علامہ محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے ان مومن بندوں کی جو صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور ان کافروں اور مشرکوں کی جو شیاطین کی جمعیت کی پیروی اور اپنے مختلف معبودوں کی عبادت کرتے ہیں مثال بیان فرمائی ہے اس طرح کہ کافر (بیک وقت کئی معبودوں کی عبادت کرنے میں) اس شخص کی طرح ہیں جو شخص بیک وقت کئی مختلف المزاج اور بدخلق مالکوں کی ملکیت میں ہو اور اس کا ہر مالک اپنی ملکیت اور شراکت کے مطابق اس سے اپنی خدمت وصول کرنے پر مصر ہو۔ اور مومن کی مثال اس شخص جیسی ہے جو مکمل طور پر صرف ایک ہی مالک کا غلام ہے یعنی مومن وموحد شخص صرف اللہ واحد ہی کی عبادت کرتا اور صرف اللہ واحد ہی کو اپنا رب تسلیم کرتا ہے۔ (جامع البیان فی تاویل القرآن للطبری ج ۲۱ ص ۲۸۳)

علامہ قرطبی رحمہ مثال مذکور کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: مشرکوں کی مثال ایک ایسے غلام جیسی ہے جو (بیک وقت) پوری جماعت کا مشترک غلام ہو، جس جماعت کے شرکاء باہم مختلف المزاج اور بدمزاج ہوں، اور اُن کے اِسے غلام بنانے کے اہداف ومقاصد بھی باہم بالکل مختلف ہوں، ایسا غلام جس آقا کے پاس بھی جائے گا وہ اسے اپنی خدمت کے لئے اپنی ہی طرف کھینچے گا، نتیجتاً ایسا غلام اپنے آقاؤں کی طرف سے ہمیشہ ذہنی الجھن، دلی اضطراب اور شدید جسمانی تکلیف و تھکان کا شکار رہے گا، اس کے باوجود ذمہ داریوں کی کثرت کی وجہ سے اپنے کسی ایک آقا کو بھی مطمئن اور خوش نہیں کرپائے گا۔ اور مومن کی اس مثال اس غلام جیسی ہے جو صرف ایک ہی آقا کی غلامی قبول کرتا ہے تو ایسے آقا اور غلام کے درمیان کوئی دوسرا آقا مداخلت نہیں کرتا، اور جب ایسا غلام (ہر وقت) اپنے ایک ہی آقا کی خدمت میں لگا رہتا ہے تو آقا بھی اپنے ایسے فرمانبردار غلام کی قدر کرتا ہے، اگر اس سے کبھی کوئی غلطی بھی ہوجائے تو اسے درگذر فرمادیتا ہے۔ بھلا بتاؤ! ان دونوں میں

سب سے کم تھکان اور سب سے زیادہ سیدھے راستے والا کون ہے؟ ۔(تفسیر القرطبی ج۱۵ص۲۵۲)

(۵) پانچویں مثال: ضَرَبَ لَكُم مَّثَلاً مِنْ أَنفُسِكُمْ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاء فِيْ مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيْهِ سَوَاء تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ.(سورةالروم:۲۸) ''وہ تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن لونڈی (غلاموں) کے تم مالک ہو وہ اس (مال) میں جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے تمہارے شریک ہیں؟اور (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر (مالک سمجھتے) ہو (اور کیا) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو؟ اسی طرح ہم عقل والوں کیلئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔۲۸۔مگر جو ظالم ہیں بغیر سمجھے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں تو جس کو اللہ گمراہ کردے اُسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور اُن کا کوئی مددگار نہیں''۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ:مشرک لوگ اللہ کے غلاموں کو اس کا شریک ٹھہراتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے خود انہیں کی مثال بیان فرمائی،ایسی مثال جو دل میں خوب اتر جاتی ہے اور پوری طرح اثر کرتی ہے،اللہ فرماتا ہے کہ کیا تمہارے غلام اور لونڈیاں تمہارے مال و اولاد میں تمہارے شریک ہیں؟ کہ تمہارے اور ان کے حقوق بالکل برابر کے ہوں؟ تمہیں ہر وقت کھٹکا لگا رہے کہ کہیں یہ (غلام و لونڈیاں) تقسیم نہ کرلیں اور ہماری چاہت کی چیزوں پر اپنا قبضہ نہ جمالیں جیسے کہ دو برابر کے شریکوں میں ہوا کرتا ہے، یا یہ کہ وہ بھی تمہارے وارث بن جائیں۔مقصود یہ ہے کہ جب تم اس بات کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تو اسے اللہ کی ذات کے لئے کیسے ثابت کررہے ہو؟ جبکہ یہ بات عقلاً اور فطرتاً ممنوع ہے کہ مالک اور مملوک کے حقوق برابر ہوں تو پھر اللہ کے غلاموں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟ بلکہ تمہارے ماتحتوں اور اللہ کی مخلوق میں تساوی اور برابری بھی تو نہیں۔تمہارے غلام تو تمہارے جیسے ہی اور تمہاری ہی جنس کے تمہارے ہی بھائی ہیں اور تم سب اس حیثیت میں کہ اللہ کے غلام ہو،سب برابر کے ہو پھر بھی تم میری مخلوق (میرے بندوں) کو میرے برابر کردیتے ہو،پس عقلمندوں کے لئے شریک الٰہی کے بطلان کی یہ سب سے صریح دلیل ہے۔(تلخیص از اعلام الموقعین اردو ج۱ص۱۳۴،۱۳۵۔الامثال فی القرآن الکریم ص:۲۰)

(۶) چھٹی مثال﴿ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالأَعْمَى وَالأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً أَفَلاَ تَذَكَّرُونَ﴾(سورۃ ھود:۲۴)''دونوں فرقوں (یعنی کافر و مومن) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرہ ہو اور ایک دیکھتا سنتا۔بھلا دونوں کا حال یکساں ہوسکتا ہے، پھر تم سوچتے کیوں نہیں۔

علامہ محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ﴿ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالأَعْمَى وَالأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلاً أَفَلاَ تَذَكَّرُونَ﴾ میں اللہ رب العالمین نے اندھے اور بہرے شخص کے ذریعہ کافروں کی اور دیکھنے اور سننے والے شخص کے ذریعہ مومنوں کی مثال بیان فرمائی ہے،جس طرح اندھا شخص کوئی بھی چیز دیکھ نہیں سکتا اور بہرا شخص کسی بھی آواز کو سن نہیں سکتا بالکل اسی طرح کافر لوگ ہمیشہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے نہ تو حق کو دیکھ سکتے ہیں کہ حق کہ پیروی کرکے راہ حق پر گامزن ہوجائیں،اور نہ شاہراہ ہدایت کی طرف بلانے والے کی صدا ہی سن سکتے ہیں کہ داعی الی اللہ

کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ہدایت یاب ہوجائیں بالآخر ایک کافر کی پوری زندگی اسی طرح ضلالت وگمراہی کی پگڈنڈیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے گزر جاتی ہے۔اور مومنوں کی مثال سننے اور دیکھنے والے شخص جیسی ہے،مومن اپنی بابصیرت نگاہوں سے مناظر قدرت اور توحید الٰہی کے روشن دلائل و براہین کا مشاہدہ کر کے تمام معبودان باطل اور جملہ انبیاء کرام کی نبوت کی آمیزش سے بالکل پاک ومنزہ توحید خالص کا اقرار کر لیتا ہے۔اور داعی الی اللہ کی دعوت کو قبول کر کے اللہ کا تابع فرمان بن جاتا ہے(تفسیر طبری ج ۱۲ص ۳۷۶)

(ساتویں مثال) ”وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ“(سورۃ حج :۳۱)اور جو شخص (کسی کو) اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اُس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دُور جگہ اُڑا کر پھینک دے“۔

علامہ عبدالرحمٰن ناصر السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کریمہ میں ایمان کو چھوڑ کر شرک کی زندگی گزارنے والے انسان کی مثال آسمان سے گر پڑنے والے شخص کے ذریعہ بیان فرمائی ہے کہ جس طرح آسمان سے گرنے والا شخص یا تو ہر جانب سے مصائب آلام کا شکار ہوجاتا ہے، یا اسے پرندے اچک کر اس کے جسم کے تمام اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں، بالکل اسی طرح جب کوئی انسان ایمان کی رسی کو چھوڑ کر مشرک بن جاتا ہے تو شیاطین اس پر ہر جانب سے حملہ آور ہوتے ہیں اور اسے چیر پھاڑ کر اس کی دین ودنیا دونوں برباد کر دیتے ہیں(تفسیر السعدی)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ﴿وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ﴾ کی تفسیر تحت رقمطراز ہیں کہ:جس طرح آسمان پر جلوہ افروز شخص عظمت وبلندی کے سب سے اونچے مقام پر فائز متصور کیا جاتا ہے بالکل اسی طرح خالص اللہ کی عبادت بھی انسانی عظمت ورفعت کی سب سے اونچی منزل ہے، انسانیت کے لئے اس سے اونچی کوئی منزل نہیں۔اور جس طرح آسمان سے گر پڑنے والا شخص گرتے گرتے ذلت وحقارت اور پستی ورسوائی کی سب سے نچلی سطح پر جا پہونچتا ہے، بالکل اسی طرح اللہ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرنے والا مشرک انسان بھی اپنے شرک کی وجہ سے ذلت و رسوائی کے سب سے نچلے گڑھے میں جا گرتا ہے(التفسیر المظہری ج ۱ص ۲۵۳۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ عبادت اپنے معبود کے ذریعہ ہی باقی رہ سکتی ہے اور اللہ کے علاوہ تمام معبود باطل ہیں اس لئے تمام مشرک گمراہ ہیں اور ابدی شقاوت وبدبختی ہی ان کا انجام ہوگا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے﴿وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ الحاصل یہ کہ ہر عابد اپنے ہی معبود کے ذریعہ قائم رہتا ہے اور اللہ کے سوا کسی بھی معبود کو بقا ودوام حاصل نہیں اسی لئے معبودان باطل کی عبادت کرنے والے تمام مشرک بھی غیر مستحکم اور بے ثبات ہیں(جامع المسائل لابن تیمیۃ۔عزیر شمس، ج ۵ص ۲۶۸)

آخر میں دعا گو ہوں کہ اللہ رب العالمین دنیا کے تمام مسلمانوں کو ہر طرح کے کفر وشرک اور بدعات وخرافات سے بچ کر خالص قرآن وسنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے،آمین۔

☆☆☆

توہین رسالت اور شریعت

(۲-۲) محمد اسلم مبارک پوری

سابقہ سطور سے معلوم ہوگیا کہ جو شخص نبی ﷺ کو تمسخر اور استہزا کا نشانہ بنائے، وہ واجب القتل ہے۔ خواہ کافر ہو یا مسلم یا معاہد و ذمی، اور نہ ہی اس کی توبہ قبول ہوگی۔ شرف الدین حجاوی رحمہ اللہ، زاد المستقنع ص:۳۷۶ میں لکھتے ہیں: ''ولا يقبل توبة من سب الله أو رسوله ولا من تكررت ردته بل يقتل بكل حال'' جو اللہ یا اس کے رسول ﷺ - کو گالی دے نہ اس کی توبہ قبول ہوگی اور نہ اس کی جو بار ہا مرتد ہو چکا ہو بلکہ اسے ہر حال میں قتل کیا جائے گا۔ اور اسے توبہ کی چنداں مہلت بھی نہ دی جائے گی۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الصارم المسلول (ص:۳۰۰، ۵۲۵) میں امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے اور اس سلسلہ میں اپنی کتاب کے مختلف مقامات پر جو زوردار دلائل دیئے ہیں ان کا خلاصہ اور وضاحت حسبِ ذیل ہے:

☆ شاتمِ رسول ﷺ فساد فی الأرض کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی توبہ سے بگاڑ اور فساد فی الأرض کی تلافی اور ازالہ ممکن نہیں جو اس نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔

☆ اگر توبہ کی وجہ سے سزا نہ دی جائے تو اسے اور دوسرے بدبختوں کو جرأت ہوگی کہ وہ جب چاہیں توہین رسالت کا ارتکاب کریں اور جب چاہیں توبہ کر کے اس کی سزا سے بچ جائیں اس طرح غیروں کو موقع ملے گا کہ وہ مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو بازیچۂ اطفال بنالیں۔

☆ نبی ﷺ کی گستاخی کے جرم کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی، حقوق اللہ کو تو اللہ خود معاف کر دیتا ہے مگر حقوق العباد میں کمی یا زیادتی اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک متعلقہ مظلوم اسے معاف نہ کرے، نبی کریم ﷺ اپنی حیات طیبہ و مبارکہ میں اگر کسی کا یہ جرم معاف کرنا چاہتے تو معاف کر سکتے تھے، مگر اب اس کی کوئی صورت نہیں۔ امتِ مسلمہ یا مسلمان حاکم آپ ﷺ کی طرف سے نیابۃً اس جرم کو معاف کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

☆ قتل، زنا، سرقہ (چوری) جیسے جرائم کے بارے میں بھی اصول یہی ہے کہ ان کا مجرم سچی توبہ کرنے سے آخرت کی سزا سے بچ سکتا ہے، مگر دنیاوی سزا سے نہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ قاتل، زانی یا چور گرفتار ہو جائے اور کہے کہ میں نے جرم تو کیا تھا، مگر اب توبہ کر لی ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح شاتم رسول ﷺ بھی ارتکاب جرم کے بعد توبہ کا اظہار کرے تو دنیاوی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ اور اس کا جرم مذکورہ جرائم سے بدتر اور زیادہ سنگین ہے۔ ان دلائل کے پیش نظر درست یہی ہے کہ شاتمِ رسول ﷺ کی سزا قتل ہے اور اس کی سچی یا جھوٹی توبہ اسے سزا سے نہیں بچا سکتی۔

اس مذکورہ خیال کی تائید اس آیتِ کریمہ سے ہوتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:﴿لا تعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم﴾ (التوبہ:٦٦) ایسے لوگوں کی کوئی معذرت قبول نہ کرو، کیوں کہ یہ لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہیں۔آل عمران:۹۰ میں ہے: ترجمہ:''بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں تو ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کرو، یہی لوگ اصلی گمراہ ہیں۔نیز دیکھئے سابقہ صفحات میں سورہ توبہ کی آیت نمبر:۱۲۔اور ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس کی تفسیر۔اس خیال کی تائید اس اجماع سے بھی ہوتی ہے جو ابوبکر فارسی رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیان کیا جاچکا ہے۔چنانچہ حافظ شوکانیؒ اس اجماع کی تائید وتوثیق کرتے ہوئے نیل الاوطار (۲۱۴/۷) میں رقمطراز ہیں:''مذہب شافعیہ سے تعلق رکھنے والے مشہور عالم دین امام ابوبکر فارسی اپنی کتاب الاجماع میں شاتم رسول ﷺ کو واجب القتل قرار دیا ہے، اگر وہ توبہ بھی کرلے تب بھی ساقط نہیں ہوگا، کیوں کہ آپ ﷺ پر قذف وتہمت کی سزا قتل ہے۔اور قذف وتہمت کی حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی ہے کیوں کہ حد قذف صرف تین چیزوں سے ساقط ہوتی ہے ''و يسقط حد القذف بثلاثة أشياء: إقامة البينة، أو عفو المقذوف أو اللعان في حق الزوجة''حد قذف صرف تین چیزوں سے ساقط ہوتی ہے۔اقامتِ دلیل (یعنی جس چیز کی تہمت لگائی گئی ہے اس کا ثبوت مل جائے) یا مقذوف (جس کو تہمت لگائی گئی ہے) وہ تہمت لگانے والے کو معاف کردے یا بیوی کو زنا کی تہمت لگانے کے بعد لعان سے (حدِ قذف ساقط ہوجاتی ہے) اس مذکورہ بالا عبارت کی شرح کرتے ہوئے شیخ تقی الدین دمشقی رحمہ اللہ کفایۃ الاخیار ۱۳/۲-۱۴۷ میں لکھتے ہیں:'' أما سقوطه بالعفو فلأن الحد حق المقذوف ولهذا لا يستوفى إلا بإذنه ومطالبته''معافی (توبہ) کے ذریعہ حد قذف ساقط ہوجائے گی کیوں کہ حد قذف مقذوف کا حق ہے، لہذا بغیر اس کی اجازت وطلب کے اس قاذف کو حد نہیں لگائی جائے گی۔اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ ایسی توبہ قبول کرنے کا حق صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے کسی اور کے پاس نہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ الصارم المسلول میں لکھتے ہیں:''إن النبي ﷺ كان له أن يعفو عمن شتمه وسبه في حياته وليس لأمته أن يعفو عن ذلك''رسول اللہ ﷺ اس شخص کو معاف کرنے کے اہل تھے جس نے آپ کو آپ ہی کی زندگی میں گالی دیا ہے اور آپ کی امت اس کی امر کی مجاز نہیں ہے۔تاہم ایسا شخص اگر توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ کا حکم اس کی نیت کے تابع ہوگا۔اگر توبہ سچی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دامنِ عفو میں جگہ دے گا اور اس کے لیے راہِ راست کی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کردے گا۔اور اگر توبہ محض ریا ونمود اور مکروفریب کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔حدیث شریف میں ہے:''إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا''(مسلم کتاب الزکاۃ، حدیث:٦٥) اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک ہی قبول کرتا ہے۔اور دوسری حدیث میں ہے:''ریاء ونمود شرک اصغر ہے۔مسند احمد بروایت محمود بن لبید، مشکاۃ ۳/ ۱۴۶۶ کتاب الرقاق، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام، حدیث:۱۵۱۳ میں کہا کہ اس کی سند حسن ہے۔جب اللہ تعالیٰ بدعتی کی، جب تک وہ بدعت پر قائم رہے، توبہ قبول نہیں کرتا ہے تو ریاء ونمود کی توبہ بدرجہ اولی قبول نہیں کرے گا۔سورۂ آل عمران کی سابقہ آیت کا یہی مفہوم ہے جیسا کہ آیتِ کریمہ کے نزول سے مترشح ہوتا ہے کہ انصار میں سے ایک شیخ مرتد ہوگیا، اور مشرکوں سے جاملا، لیکن جلد ہی اسے اپنے کئے پر ندامت ہوئی اور لوگوں کے ذریعہ

رسول اللہ ﷺ تک پیغام بھجوایا کہ"هل لي من توبة" کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی (سنن نسائی ۷/ ۱۰۷ (۴۰۷۳) مستدرک حاکم ۴/ ۳۶۶، حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ نیز اسے البانی رحمہ اللہ نے صحیح النسائی ۳/ ۵۸۲ میں صحیح الإسناد کہا ہے)۔

تفسیر احسن البیان ص: ۱۵۹ میں ہے "اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا اگرچہ بہت سخت ہے۔ کیونکہ اس نے حق کو پہچاننے کے بعد بغض و عناد اور سرکشی سے حق سے اعراض کیا تاہم اگر کوئی خلوص دل سے توبہ اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے اور اس کی توبہ قابل قبول ہے" رہی جانکنی کے وقت کی توبہ، تو یہ قبول نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "إن الله يقبل توبة العبد مالم يغر غر" اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک اسے موت کا اچھو نہ لگے۔ (ترمذی، ابن ماجہ بروایت ابن عمر، یہ حدیث حسن ہے، بحوالہ صحیح سنن ابن ماجہ ۲/ ۴۱۸، مشکاۃ المصابیح ۲/ ۷۲۴، کتاب الدعوات)۔

اس کے بعد اب ہم گلستان نبویہ کا رخ کرتے ہیں جہاں ہمیں کچھ ایسی روایات ملتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقعۃً خالص توبہ ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ضرور کوئی سبیل پیدا فرمائے گا۔ ایسی ہی ایک روایت عکرمہ بن ابوجہل کے بارے میں مذکور ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں فتح مکہ کے موقع پر نبی ﷺ نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا، جب عکرمہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو قتل سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے اور یمن جا کر پناہ لی۔ سیرت ابن ہشام ۲/ ۴۱۰ میں ہے کہ ان کی بیوی ام حکیم بن الحارث بن ہشام اپنے ہمراہ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی چوں کہ ان کی قسمت میں بہتری، اور رب ذوالجلال کی طرف سے توفیق شامل تھی اس لیے نبی ﷺ کے پاس آکر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ان کی گناہ کو نبی ﷺ نے معاف فرمایا۔ حدیث شریف ہے: "إن الإسلام يهدم ماكان قبله" (مسلم کتاب الإیمان: ۱۹۲) اسلام اپنے ماسبق گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ کتب حدیث (نسائی ۷/ ۱۰۷) اور سیرت ابن ہشام (۲/ ۴۰۹) میں موجود ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح، جو خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی، اور کاتبین وحی میں سے تھے، مرتد ہو کر کفار قریش سے جا ملے۔ فتح مکہ کے موقع پر جان بچانے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس روپوش ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ بیعت لے رہے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے ہمراہ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کے روبرو کھڑا کر دیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ عبداللہ بن ابی سرح حاضر خدمت ہے۔ اس سے بیعت لے لیجئے۔ آپ ﷺ چند لمحہ خاموش رہے اور عبداللہ کی طرف غور سے دیکھا جیسے کہ آپ ﷺ بیعت سے انکار کر رہے ہوں۔ بالآخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بار بار درخواست پر آپ ﷺ نے عبداللہ سے بیعت لی اور اس کا اسلام قبول کرتے ہوئے جان بخشی، پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "أما كان فيكم رجل رشيد يقوم إلى هذا حين رآني كففت يدي عن بيعته فيقتله" کیا تم سے کوئی سمجھدار آدمی نہ تھا جب میں نے عبداللہ سے بیعت کر لینے سے ہاتھ روک لیا تھا، اور خاموش تھا تو تم میں سے کوئی (اٹھ کر) اسے قتل کر دیتا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے

رسول ﷺ ما يدرينا ما في نفسك آپ کے جی میں کیا تھا اسے ہم بھانپ نہ سکے۔ کاش آپ اپنی آنکھوں سے اشارہ کردیتے۔ آپ نے فرمایا: "إنه لا ينبغي لنبي أن يكون له خائنة أعين" کسی نبی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خیانت کی آنکھوں سے اشارہ کرے۔

یہاں یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے بارے میں نبی ﷺ نے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا ان میں مذکورہ افراد کے علاوہ مقیس بن صبابہ، ہبار بن اسود، حویرث بن نقید بن وہب، ہند بنت عتبہ بن ربیعہ، سارہ (جس نے اہل مکہ کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ- رضی اللہ عنہ- کا خط پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی، اور یہ عمرو بن ہشام کی لونڈی تھی) اور عبداللہ بن خطل کی دو لونڈیاں شامل ہیں۔ ان میں سے عبداللہ بن خطل کی فرتنا نام لونڈی، اور ہند بنت عتبہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور بقیہ کو واصل جہنم کیا گیا۔ ان افراد میں سے جن کو نبی ﷺ نے قتل کیا ذاتی انتقام پسندی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس وجہ سے تھا کہ شاتمِ رسول ﷺ لوگوں کے دلوں سے رسول اللہ ﷺ کی عظمت وتجیل گھٹانے کی کوشش کرتا اور ان میں کفر ونفاق کے بیج بوتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ بدبخت عبداللہ بن خطل تھا جو رسول اللہ ﷺ کو گالیاں اور آپ کی شان میں نظم ونثر میں آپ کی ہجو اور گستاخی کیا کرتا تھا۔ اور اس غرض سے دونوں لونڈیوں کو (جو زبردست گلوکارہ بھی تھیں) خرید رکھا تھا، جو نبی ﷺ کی ہجو میں اس کے شانہ بہ شانہ تھیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں توہینِ رسول کتنا بڑا جرم ہے؟ اور اس سنگین جرم کا اندازہ اس سے بھی لگایئے کہ اسلام نے عورتوں اور بچوں کو جنگوں میں قتل کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ روایت میں ہے (اللؤلؤ والمرجان، حدیث نمبر: ۱۱۳۸) لیکن عورت بھی اگر اہانتِ رسول کی مرتکب ہوتی ہے تو اسے بھی کیا جائے گا۔ اس کی تائید عبداللہ بن خطل کی مذکورہ لونڈی کے علاوہ حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ایک نابینا شخص کی ایک چہیتی اور خدمت گذار لونڈی رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدزبانی اور گستاخی کا ارتکاب کیا کرتی تھی۔ وہ صحابی رسول اسے اس حرکت سے منع کرتے مگر باز نہ آتی۔ ایک شب بدزبانی کررہی تھی کہ انھوں نے ایک کدال سے اس کا شکم چاک کردیا اور موت کے گھاٹ اتاردیا، جب یہ معاملہ عدالتِ نبوی میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! گواہ رہو- اس خون کا کوئی تاوان (بدلہ) نہیں ہے۔ (ابوداؤد: ۴۳۶۱، نسائی: ۴۰۷۵، حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام، حدیث نمبر: ۱۲۳۱ میں کہا کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں)۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گستاخِ رسول ﷺ کے نابینا قاتل کے بارے میں کہا کہ اس نابینا نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اعمی (نابینا) نہ کہو بلکہ بصیر وبینا کہو کہ اس کی بصیرت وغیرت ایمانی زندہ وتابندہ ہے۔ آفریں صد آفریں اس نابینا صحابی کی ایمان غیرت اور دینی حمیت پر کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے جس کی مثال ناپید ہے۔ ہرچند وہ ظاہری بصارت سے محروم تھے مگر اس کی تلافی اس کی بصیرت اور حب رسول کی معراج سے ہوگئی۔ اس غیور شخص نے اپنے معصوم بچوں کی جان اپنی کورچشمی کی لاٹھی اور جاں نثار رفیقۂ زندگی کو آپ کی گستاخی پر موت کے گھاٹ اتاردیا۔ اس لیے کہ وہ اس کی متاع ایمان ودین کی غارت گر تھی۔ اس بے ادب لونڈی کا جرم اس قدر سنگین تھا کہ جس

میں مداہنت کرنا اور چشم پوشی سے کام لینا مومن کی دینی غیرت وحمیت کے منافی اور اس کی شان اسلام کے خلاف ہے۔اور جب ایک اور گستاخ رسول عورت اسماء بنت مروان کو اس کے ایک اپنے رشتہ دار غیرت مند صحابی نے قتل کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اگر تم کسی ایسے شخص کی زیارت کرنا چاہتے ہو جو اللہ اور اس کے رسول کی نصرت وامداد کرنے والا ہے تو میرے اس جانثار کو دیکھو۔ یہ غیرت مند صحابی عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ جب اس ملعونہ کے قتل سے فارغ ہوئے تو انکے قبیلہ کے بعض سرکردہ افراد نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ قتل کیا ہے؟) انھوں نے بلا تأمل جواب دیا: ہاں، اگر تم سب گستاخی کا وہ جرم کرو جو اس نے کیا ہے تو تم سب کو بھی قتل کردوں گا۔ابو عبید کی کتاب الاموال، ص:۱۹۳ میں ہے وہ عورت اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور نبی ﷺ کی ہجو اور گستاخی کیا کرتی تھی۔اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو جو آپ کو گالی دیا کرتی تھی قتل کیا ہے۔حوالہ بالا۔

عہد نبوی ﷺ میں شاتمانِ رسول کے بھیانک انجام کی ان متعدد مثالوں کے پیش نظر ہر دور کے مسلمان علماء کا اجماع اور فتویٰ رہا ہے کہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔اس کی مثالیں سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین ہیں۔جن کے بارے میں علماء نے قتل کا فتوی دیا ہے۔اور اسلام کا یہی حکم قتل نبی ﷺ کے علاوہ تمام پیغمبروں: حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت داؤد اور ابوالبشر حضرت آدم علیہم السلام کے بارے میں بھی ہے کہ جو ان انبیاء ورسل کو اور ان لوگوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے منصبِ رسالت سے سرفراز کیا ہے۔گالی دے یا ان کی گستاخی کرے تو اس کا بھی انجام قتل ہے۔اور ان پیغمبروں سے اظہار عداوت ہے۔صحابہ کرام میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب اور دیگر صحابہ کرام کا یہی فتویٰ رہا ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتوی الصارم المسلول، ص:۲۸۸ میں بایں لفظ ہے:" من سب الله أو سب أحدا من الأنبياء فاقتلوه" جو اللہ کو گالی دے یا کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کردو۔ایسا ہی ایک فتوی خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔(حوالہ بالا، ص:۳۰۶)

یہ حکم صرف انبیاء ورسل کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا ہے، اگر کوئی شخص امت میں سے کسی کو گالی دے یا ان کی شان میں گستاخی کرے تو وہ واجب القتل نہیں ہے جیسا کہ سنن نسائی (۴۰۷۷) وغیرہ میں ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انتہائی بردبار اور متحمل مزاج شخص تھے، جلدی غصہ نہیں ہوتے تھے۔ایک شخص نے ان سے گستاخی کی تو اس پر بہت نالاں ہوئے حتی تغير لونه یہاں تک کہ ان کا رنگ بدل گیا۔حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول، اللہ کی قسم! اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن اتاردوں۔حضرت ابو برزہ کہتے ہیں: میری اس بات سے ان کا غصہ بالکل ختم ہوگیا، اور فرمانے لگے: "إنها لم تكن لأحد بعد رسول الله ﷺ" رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کا یہ مرتبہ اور حق نہیں کہ اس کی ناراضگی کسی کے قتل کا موجب ہو۔صرف رسول اللہ ﷺ کی شان ہے کہ آپ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے۔میرے اور تیرے گستاخ کا یہ حکم نہیں ہے۔

☆☆☆

اخلاق نبوی کی چند نمونے

ابوطلحہ بن محمد ابراہیم سلفی

اخلاق خلق کی جمع ہے، جو طبعی خصلت ومروت کے معنی میں ہے، آپ ﷺ اخلاق عالیہ اور خصائل حمیدہ کے پیکر تھے، آپ نے اپنے اخلاق وکردار سے ہی پرایا کو بھی اپنا بنا لیا اور دشمنوں کو دوست، آپ کے انہیں خصائل حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی بدولت اسلام کو فروغ حاصل ہوا، اور جب تک آپ ﷺ کی اخلاقی تعلیمات پر عمل کیا جائے گا انسانی معاشرہ فلاح و بہبودی کی بلندی کو چھوتا رہے گا۔ مندرجہ ذیل سطور میں آپ کے اخلاق فاضلہ کے چند نمونے حوالہ قرطاس کیے جا رہے ہیں:

نبی کریم ﷺ اپنی امت کی فلاح واصلاح کے تئیں صدا بے قرار، اور اپنی امت کی اتنی فکر کہ اگر اللہ رب العالمین نے دو باتوں میں ایک کو اختیار کرنے کی چھوٹ دی تو آسانی کو ترجیح دی، اور اعلی اخلاق کے پیکر کا حال یہ تھا کہ آپ نے اپنی ذات کی خاطر کسی سے کبھی بھی انتقام نہیں لیا، غضب وغصہ سے دور اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بے حد خوش مزاج تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ما خير رسول الله ﷺ بين أمرين إلا أخذ أيسرهما ما لم يكن إثما، فإن كان إثما، كان أبعد الناس منه، وما انتقم رسول الله ﷺ لنفسه إلا أن تنتهك حرمة الله، فينتقم لله بها" (۱) نبی کریم ﷺ کو دو معاملوں کے درمیان جب اختیار دیا جاتا تو آپ ان دونوں میں سے آسان کو ترجیح دیتے جب تک کہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا، اور اگر گناہ کا کام ہوتا تو آپ پہلی فرصت میں اس سے دوری اختیار کر لیتے، (اور ایک بات یہ کہ) نبی ﷺ نے اپنی ذات کی خاطر بدلہ نہیں لیا، لیکن اگر اللہ کی حرمت کی پامالی ہوتی تو آپ اللہ تعالی کی ذات کی خاطر اس کا بدلہ لیے بغیر نہیں رہتے۔

ہمیشہ آپ ﷺ کی سخاوت کا دریا موجزن رہتا، لیکن رمضان کے مہینے میں جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملتے تو آپ کی سخاوت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "كان النبي ﷺ أجود الناس بالخير، وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل، وكان جبريل عليه السلام يلقاه كل ليلة في رمضان حتى تنسلخ، يعرض عليه النبي ﷺ القرآن، فإذا لقيه جبريل عليه السلام، كان أجود بالخير من الريح المرسلة" (۲) یعنی نبی ﷺ بھلائی کے کام میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور آپ کی سخاوت ماہ رمضان میں اور بڑھ جاتی، جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے، اور جبریل علیہ السلام رمضان ختم ہونے تک ہر رات آپ سے ملتے تھے۔ (اس میں یہ ہوتا کہ) حضرت جبریل علیہ السلام سے نبی ﷺ

(۱) بخاری، کتاب المناقب، ح: ۳۵۶۰۔ (۲) بخاری، کتاب الصوم، ح: ۱۹۰۲۔

قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات کرتے تو آپ چلتی ہوا سے بھی زیادہ خیر کے کاموں میں سخی ہوجایا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے، آپ کی بہادری کا عالم یہ تھا کہ ایک رات اہل مدینہ خوف زدہ تھے (کسی آواز کے کان میں ٹکرانے کی وجہ سے)، چنانچہ نبی ﷺ ایک گھوڑے پر سوار سب سے آگے آگے تھے اور واپس آنے پر فرمارہے تھے کہ میں نے گھوڑے کو بہت تیز رفتار پایا۔(۱)

مذکورہ حدیث سے آپ کی سخاوت وبہادری کے ساتھ ساتھ شجاعت میں آپ کی سبقت کا بھی پتہ چلتا ہے، اپنے ساتھیوں کی ہمدردی میں آپ نے جان کی پرواہ تک نہ کی اور اس آواز کی طرف چل پڑے جس کی وجہ سے سب خوف زدہ تھے۔

حضرت انس نے ہی ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ: "كان النبي ﷺ أحسن الناس خلقا" (۲) نبی ﷺ لوگوں میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھے تھے، جو بھی آپ ﷺ کے بارے میں سنتا وہ آپ کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کے درپے ہوجاتا، خصوصا جب آپ ﷺ محمد سے محمد رسول اللہ ہوگئے اور آپ کے اخلاق جلیلہ کے ہر چہار جانب چرچے ہونے لگے تو لوگ حقیقت شناسی کے لیے آپ کی طرف کھنچتے چلے گئے، اور اسلام کے آغوش میں پناہ گزیں ہوگئے، حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ جب انہیں رسول کی بعثت کی خبر پہنچی تو اپنے بھائی سے کہا: اس وادی کی طرف سفر کرکے جاؤ اور محمد کی باتوں کو سن کر آؤ۔ چنانچہ ان کا بھائی گیا اور واپس آکر کہنے لگا: "رأيته يأمر بمكارم الأخلاق" (۳) میں نے محمد کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہوئے دیکھا۔

نبی ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ہر کسی سے والہانہ ملتے اور مسکرا کر خوش آمدید کہتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول ﷺ سے اجازت طلب کی، آپ نے اسے دیکھ کر کہا: "بئس أخو العشيرة وبئس ابن العشيرة" برے قبیلے کا بھائی اور برے قبیلے کا بیٹا ہے۔ لیکن جب وہ شخص آکر بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے خوش مزاجی دکھائی اور شادمانی ظاہر کی، جب وہ شخص رخصت ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں گویا ہوئی: یا رسول الله! "حين رأيت الرجل قلت له كذا وكذا، ثم تطلقت في وجهه، وانبسطت إليه" اے اللہ کے رسول! جب آپ نے اس آدمی کو دیکھا تو ناگواری ظاہر کرتے ہوئے اس کے بارے میں ایسا اور ایسا کہا، لیکن پھر بھی آپ نے خوش طبعی کا مظاہرہ کیا اور فرحت وانبساط کی چادر کو اس کی طرف دراز کردی۔ نبی ﷺ نے جواباً فرمایا: "يا عائشة متى عهدتني فاحشا؟ إن

(۱) صحیح بخاری، الجھاد والسیر، ح: ۲۸۲۰۔ (۲) صحیح بخاری، کتاب الأدب، ح: ۶۲۰۳۔

(۳) نقلہ البخاری فی صحیحہ تعلیقا، کتاب الأدب۔

شر الناس عند الله منزلة يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شره" (۱) اے عائشہ! تو نے مجھے بد اخلاق کب پایا ہے؟ واقعی اللہ کے نزدیک لوگوں میں بروز قیامت مقام ومرتبہ کے لحاظ سے برا وہ شخص ہوگا، جسے لوگ اس کے شر سے بچنے کے لیے چھوڑ دیں۔

تواضع وخاکساری میں بھی آپ ضرب المثل تھے، آپ کا حال یہ تھا کہ اپنی جوتیوں کو خود سی لیتے اور کپڑوں میں خود پیوند لگا لیتے اور اپنا ہر کام خود کرلیا کرتے تھے۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی دس سال تک خدمت کی، لیکن آپ نے انہیں کبھی بھی اف تک نہ کہا اور نہ ہی کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کے سلسلے میں کبھی ٹوکا۔ (۳) حضرت انس ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسن اخلاق میں سب سے بڑھ کر تھے، ایک دن ہوا یہ کہ آپ نے مجھے کسی کام سے روانہ کیا، میں نے کہا: قسم اللہ کی نہ جاؤں گا، حالاں کہ میرے دل میں تھا کہ جاؤں گا، اس لیے کہ نبی کا حکم تھا، چنانچہ میں نکل پڑا، یہاں تک کہ میرا گزر بازار میں کھیل رہے بچوں کے پاس سے ہوا، اچانک رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے میری گدی پکڑ لی، میں نے دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے، گویا ہوئے: اے انس! جہاں جانے کو کہا تھا گئے تھے؟ میں نے کہا: ہاں، ابھی میں جا رہا ہوں اے اللہ کے رسول۔ (۴) اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی نرم دلی نمایاں ہوتی ہے۔ آپ نے حضرت انس کو نہ ڈانٹا نہ پھٹکارا اور نہ کوئی سرزنش کی۔

آپ سب سے زیادہ باحیا تھے، آپ کی حیا کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: "كان النبي ﷺ أشد حياء من العذراء في خدرها"۔ (۵)

نبی ﷺ حیا کے باب میں دوشیزاؤں سے بھی بڑھ کر تھے۔ حضرت ابوعبداللہ الجدلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو عائشہ نے کہا: "لم يكن فاحشا ولا متفحشا ولا صخابا في الأسواق، ولا يجزي بالسيئة السيئة، ولكن يعفو ويصفح" (۶) کہ نبی ﷺ نہ برے تھے، نہ فحش کام وبات کرتے، نہ بازاروں میں آوازہ کستے، اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے، بلکہ عفو ودرگذر آپ کا شیوہ رہتا۔

نبی ﷺ اخلاق حسنہ کے پیکر تھے، آپ کے ہر عمل میں لطافت اور ہر کام میں شرافت ٹپکتی تھی، یہاں تک کہ آپ نے کسی کھانے کی چیز میں کبھی بھی کوئی عیب نہ لگایا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ما عاب النبي ﷺ طعاما قط، إن اشتهاه أكله، وإلا تركه" (۷) نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا، دل چاہا تو تناول فرمایا لیا ورنہ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الأدب، ح:۶۰۳۲۔ (۲) الرحیق المختوم (عربی) ص ۴۸۵۔
(۳) ترمذی، ح:۲۰۱۵، علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ (۴) صحیح مسلم، کتاب الفضائل ح:۶۰۱۵۔
(۵) صحیح بخاری، کتاب المناقب، ح:۳۵۶۲۔ (۶) ترمذی، حدیث نمبر:۲۰۱۶، علامہ البانی نے اس کو صحیح کہا ہے۔
(۷) صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث نمبر:۳۵۶۳۔

چھوڑ دیا، صدا مسکرانا آپ کا معمول تھا، عبداللہ بن حارث بن جزء کہتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ متبسم کسی کو نہیں دیکھا۔(۱) حضرت سماک بن حرب کا بیان ہے: میں نے جابر بن سمرہ سے کہا: "أكنت تجالس رسول الله ﷺ؟" کیا آپ رسول ﷺ کی مجلس میں مجالست کرتے تھے؟ کہا: ہاں، بہت زیادہ، آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اپنے مصلی ہی میں بیٹھے رہتے، جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو آپ اٹھتے، اور صحابہ کرام کا حال یہ ہوتا کہ بات چیت کرتے کرتے جاہلیت کے دور کی باتیں بھی چھیڑ دیتے اور ہنستے اور نبی ﷺ مسکراتے تھے۔(۲)

آپ ﷺ یقیناً سب کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ حتی کہ بچوں پر بھی آپ کی شفقت نچھاور رہتی اور آپ بچوں کو بے حد پیار کرتے اور مشفقانہ بوسہ بھی دیتے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: "قدم ناس من الأعراب على رسول الله ﷺ، فقالوا: أتقبلون صبيانكم؟ قال: نعم، فقالوا: لكنا والله! ما نقبل، فقال رسول الله ﷺ أو أملك إن كان الله نزع منكم الرحمة"۔ چند دیہاتی آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا آپ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؟ نبی نے کہا: ہاں، تو وہ حضرات یوں گویا ہوئے: لیکن قسم اللہ کی! ہم لوگ بوسہ نہیں لیتے، رسول نے فرمایا: اگر اللہ تعالی تم لوگوں سے رحمت وشفقت چھین لے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟(۳)

نبی ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے، خواہ امیر ہو کہ غریب، ضعیف ہو یا قوی، عورت ہو کہ مرد، سب کے مسائل کو یکساں سنتے اور سب کی پریشانیوں کو حل کرنے کی کوشش فرماتے، حتی کہ ایک ضعیفہ بھی آپ کا راستہ روک کر اپنا مسئلہ حل کرا لیتی اور آپ بھی اس کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتے۔ حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ ایک ناقص العقل عورت نے (راہ چلتے ہوئے) عرض کیا: يا رسول الله! إن لي إليك حاجة، اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے کام ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يا أم فلان أنظري أي السكك شئت، حتى أقضي لك حاجتك، اے فلاں کی ماں! کون سی گلی چاہتی ہو دیکھ لو، تا کہ تمہاری ضرورت کو پوری کردوں، پھر راستے (کے کنارے) ہوئے، حتی کہ وہ اپنے مسئلے کے حل سے فارغ ہوگئی۔(۴)

الغرض آپ ﷺ نہایت اعلی اخلاق کے حامل تھے، آپ کی ذات سے بے شمار اخلاقی کرنیں پھوٹتی ہیں، جن میں سے چند کرنیں آپ کے سامنے پیش کی گئی۔

☆☆☆

(۱) سنن ترمذی، کتاب مناقب، حدیث نمبر: ۳۶۴۱۔
(۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۶۰۳۵۔
(۳) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۶۰۳۵۔
(۴) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۶۰۲۷۔
(۵) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۶۰۴۴۔

مولانا فائق املوی

جماعت کے لیے ایک سانحہ ارتحال

محمد اسلم مبارک پوری

ضلعی جمعیت اہل حدیث اعظم گڈھ کے سابق ناظم، اور مشرقی یوپی کے نائب امیر، اور گوناگوں خصوصیات کی حامل شخصیت حضرت مولانا قرۃ العین صاحب (فائق املوی) سال رواں کے ماہ فروری کی دو تاریخ کو داغ مفارقت دے گیے۔ ان کے انتقال سے مبارک پور کی علمی، ادبی اور جماعتی فضا سوگوار ہوگئی۔ آپ کی ولادت مردم خیز قصبہ مبارک پور کے موضع املو میں ۱۳۶۱ھ مطابق: ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبدالواحد تھا۔ آپ علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس خانوادہ میں مولانا عبدالاحد اور مولانا عبداللہ بن عبدالشکور (تراجم علماء مبارک پور، ص: ۲۸۹، اور دیگر کتب تراجم میں عبدالشکور مرقوم ہے، صحیح عبدالشکور کے بجائے عبدالرشید ہے) نام کی دو عظیم شخصیتیں اس جہان آب وگل میں پیدا ہوئی ہیں۔ مؤخرالذکر کی ابتدائی تعلیم املو کے مکتب سے شروع ہوکر مدرسہ دارالتعلیم مبارک پور، اور جامعہ فیض عام مئو تک محیط ہے۔ اخیر میں مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی۔ اور رجب ۱۳۷۱ھ = ۱۹۵۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔ نہایت ذہین، سنجیدہ اور شریف طبع تھے۔ نیکی اور شرافت انہیں اپنے نانا سے ورثہ میں ملی تھی۔ فراغت کے بعد مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں عربی کے مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے مگر ۶ ماہ گزرتے گزرتے بیمار ہوگیے۔ اور سل کے مرض میں ۱۳۹۲ھ = ۱۹۷۲ء میں اپنے وطن املو میں زندگی کی آخری سانس لی۔

مولانا قرۃ العین صاحب اسی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ اس عہد کے رسم ورواج کے مطابق ان کی الف باء کی تعلیم گھر سے شروع ہوئی۔ قرآن پاک کا ناظرہ ختم کیا۔ درجہ تین تک کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ انوارالعلوم املو میں حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ فیض عام مئو میں عربی کی پہلی جماعت میں داخل ہوئے۔ وہاں تیسری جماعت تک کسبِ فیض کرتے رہے۔ دریں اثناء خرابی صحت کی وجہ سے جامعہ فیض عام کو خیرباد کہہ دیا۔ اور مبارک پور میں مدرسہ عربیہ احیاء العلوم میں داخل ہوئے، یہاں دو سال رہ کر مختلف علوم وفنون کو پڑھا اس کے بعد جامعہ رحمانیہ بنارس میں تعلیمی سلسلہ کو جاری رکھنے کے لیے داخلہ لیا۔ اس زمانہ میں جامعہ رحمانیہ میں جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا نذیر احمد رحمانی املوی رحمہ اللہ کی بساطِ علم بچھی ہوئی تھی اور آپ کا فیضان جاری تھا۔ مولانا رحمانی املوی کا تدریسی فترہ جنوری ۱۹۵۰ء سے لے کر مئی ۱۹۶۵ء تک ہے جو ۱۶/ سال کے عرصہ تک محیط ہے۔ یہاں رہ کر مولانا قرۃ العین مبارک پوری صاحب نے مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، نیز مولوی، عالم کا امتحان پاس کیا۔ جب کہ منشی کا امتحان فراغت کے سال پاس کیا۔ جامعہ رحمانیہ بنارس میں بھی خرابی صحت علمی پیش رفت میں آڑے آئی اور مولانا نے تعلیم بند کردی اور عازم وطن ہوئے۔ یہاں آکر پھر طبیعت نے انگڑائی لی اور تقدیر نے جامعہ فیض عام میں طلب علم کے لیے محصور کردیا اور یہیں رہ کر سند فراغت حاصل کی۔ ان تعلیمی اسفار میں جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں مولانا مفتی حبیب الرحمٰن فیضی (۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء) مولانا شمس الحق سلفی (۱۹۱۵-۱۹۸۶ء =

۱۳۳۳ھ-۱۴۰۶ھ) مولانا عبدالرحمٰن نحوی (۱۳۸۴ھ=۱۹۶۴ء) مولانا عظیم اللہ مئوی (۱۳۳۱ھ-۱۴۱۳ھ= ۱۹۹۴ء) مولانا عبدالمعید بنارسی (۱۹۱۱ء-۱۹۸۰ء=۱۴۰۰ھ) نذیر احمد املوی، مولانا محمد بشیر رحمانی مبارک پوری (۱۹۰۴-۱۹۶۸=۱۳۸۸ھ) مولانا مفتی محمد یاسین مبارک پوری (۱۹۰۷ء-۱۹۸۳=۱۴۰۴ھ) مولانا عبدالمنان قاسمی (۱۹۲۸ء-۱۹۹۷ء=۱۴۱۷ھ) مولانا محمد یحی رسول پوری مبارک پوری (۱۳۲۸ھ-۱۳۸۷ھ) اور مولانا زین العابدین وغیرہم کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

فراغت کے بعد جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ شہر میں فوقانیہ کے استاد کی حیثیت سے تقرری ہوئی۔ اور دوسال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کی سرپرستی میں بروز جمعہ ۱۱/ رجب ۱۳۸۳ھ بمطابق ۲۹/نومبر ۱۹۶۳ء، جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور ۱۹۶۶ء میں جامعہ رحمانیہ کے اساتذہ جب جامعہ سلفیہ میں منتقل ہوئے تو جامعہ رحمانیہ میں تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لیے آپ کی تقرری ہوئی۔ جامعہ رحمانیہ میں مولانا قرۃ العین صاحب نے ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۹ء تک تدریسی خدمات انجام دی۔ جامعہ رحمانیہ میں آپ کے ممتاز شاگردوں میں حسب ذیل علما ہیں: مولانا شاہد جنید صاحب صدر جامعہ سلفیہ، مولانا عبداللہ سعود صاحب ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس، مولانا ڈاکٹر جاوید اعظم رحمہ اللہ (م ۲۰۱۱ء)، ڈاکٹر اختر جمال صاحب مقیم حال مکہ مکرمہ، مولانا عبیداللہ طیب استاذ جامعہ سلفیہ، مولانا محمد ابوالقاسم استاذ جامعہ رحمانیہ، ڈاکٹر عبدالرحمٰن پریوائی، ڈاکٹر محمد ابراہیم استاذ جامعہ سلفیہ، ڈاکٹر عزیز الرحمٰن استاذ جامعہ رحمانیہ وغیرہم۔

اس درمیان مولانا نذیر احمد املوی رحمہ اللہ نے جماعت کی تنظیم کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا کی علمی صلاحیت اور جماعتی تحمس کو دیکھتے ہوئے انھیں ضلع اعظم گڈھ کی جمعیت اہلحدیث کا ناظم عمومی منتخب کیا۔ اس انتخاب نے مولانا کے اندر دعوت وتبلیغ کے داعیہ کو مہمیز عطا کی۔ ربط وتعلقات میں وسعت دی۔ خاص وعام سے ملاقات اور تبادلہ خیالات کا موقع فراہم کیا۔ مولانا کے اندر جماعتی سرگرمیاں موجزن ہونے لگیں اور جب دھیرے دھیرے دلچسپی بڑھتی گئی تو جماعتی کاز کو آگے بڑھانے کے لیے ایک آرگنائزر کی تقرری کی اور اپنی مساعی جمیلہ سے مئوناتھ بھنجن (جو اس وقت شہر اعظم گڈھ کا ایک مشہور صنعتی قصبہ تھا اور اعظم گڈھ کے زیر انتظام تھا) میں ضلعی جمعیت کا دفتر، اور مبارک پور کی مقامی جمعیت کا دفتر موضع املو میں قائم کیا۔ ان دونوں جمعیتوں کے بینر تلے ضلع اعظم گڈھ کے مختلف مواضعات کا دورہ کیا۔ عوام سے رابطہ کیا۔ اور ان کو جمعیت اہلحدیث کے شانہ بہ شانہ، قدم بہ قدم ملا کر چلنے کی دعوت دی۔ جماعتی اور دعوتی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور ایک نئے جوش وولولے کے ساتھ خدمات انجام دینے میں جٹ گئے۔ دعوت وتبلیغ کے ان مواقع پر مولانا کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اغیار کا دندان شکن جواب دینا پڑا تو کبھی اپنوں کی نازبرداری بھی برداشت کرنی پڑی۔ طعنہ بھی سنا، مشق ستم بھی بنے۔ کبیدہ خاطر بھی ہوئے مگر ان سب کو اس لیے برداشت کیا کہ دعوت وتبلیغ کا کام پھولوں کی سیج نہیں، بلکہ اس راہ میں پرخار وادیاں تو آتی ہی ہیں۔ نبی آخر الزماں خاتم الأنبیاء محمد ﷺ کو دعوت وتبلیغ کی راہ میں کتنی مشکلیں پیش آئیں مگر سب کو آپ ﷺ نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ کبھی بھی آپ ﷺ چین بجبیں نہ ہوئے۔ نبی ﷺ کی زندگی ہر داعی ومبلغ کے لیے اسوہ ہے۔ اور بہترین آئیڈیل ہے۔ ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾. (جاری)

☆☆☆

مولانا اسعد اعظمی کی کتاب
تاریخ وتعارف مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی
کا ایک جائزہ

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا جب بھی ذکر آتا ہے، دل سے ایک آہ نکل جاتی ہے، زندگی کی صرف ستائیس بہاریں دیکھ کر عنفوان شباب میں تقسیم ہند کی نذر ہوگیا، رحمانیہ دہلی کے نام سے بچپن ہی سے کان آشنا تھے، خاندان میں کئی رحمانی علماء تھے، خود میرے والدمحترم مولانا ابوالخیر فاروقی رحمانی رحمہ اللہ (م ۱۹۸۰ء) رحمانیہ دہلی میں حصول علم کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ والدمحترم اکثر وبیشتر اپنے اساتذہ کرام کی شفقت، شیخ عطاء الرحمٰن صاحب کی فیاضی اور طلباء کی تعلیم وتربیت اوران کی علمی سرگرمیوں کا ذکر کرتے تھے۔

دارالحدیث رحمانیہ کوئی عام مدرسہ نہیں تھا، بلکہ ایک مثالی ادارہ تھا، جس کا ہر شعبہ ہمارے لیے مشعل راہ بن سکتا ہے، یہاں کا ہر ذرہ ماہتاب بن کر چمکا۔ آج ہندو پاک میں قال اللہ وقال الرسول کی جو گونج سنائی دیتی ہے اس میں دارالحدیث رحمانیہ کے فارغین کا اہم کردار رہا ہے۔ شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کی بساط علم پلٹ جانے کے بعد مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے بڑی حد تک اس کی تلافی کردی تھی۔ رحمانیہ دہلی ایک شخصی ادارہ ضرور تھا، لیکن جماعت اہل حدیث کے منتخب علماء کا مجمع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی حیات میں مرکزی ادارے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ رحمانیہ دہلی کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی پوری حمایت حاصل تھی۔ یہ کسک ضرور اٹھتی ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد ہی ملک کے سیاسی حالات اشارہ کررہے تھے کہ ملک بٹ کر رہے گا اور دہلی اس کی زد میں آئے گی۔ شیخ عبدالوہاب اس ادارے کو جماعت کے سپرد کردیتے تو شاید یہ ادارہ زندہ رہتا اور اس کی ضوفشانیاں برقرار رہتیں۔ بہرحال جو المیہ گذر چکا ہے اس کے بارے میں اگر مگر سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، پھر بھی ضیاع کا غم تو ہمیشہ رہتا ہے، جیسا کہ مؤلف کتاب نے مولانا عبدالرؤف رحمانی کے حوالے سے لکھا ہے: ’’اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مدرسے ذاتی طور پر چلائے جاتے ہیں ان کی جماعتی حیثیت نہیں رہ جاتی، ان کے ضائع ہونے کا ہمیشہ غم رہے گا اور ہمیشہ اس کا ماتم کیا جائے گا‘‘۔ (ص ۲۵۶)

گلشن رحمانیہ دہلی کو اجڑے ہوئے نصف صدی سے زیادہ وقت گذر چکا ہے، اب تو اس سے فیضاب ہونے والے علما بھی شاید چند ایک بچے ہوں، اس کے عظیم الشان کارناموں کی تاریخ بھولی بسری داستان بنتی جارہی ہے، اس کی کڑیاں رسائل وجرائد اور رحمانی علما کے خودنوشت حالات میں بکھری پڑی ہیں۔ تاریخ اہل حدیث کا یہ سنہری باب ممکن تھا کہ گردوغبار کی تہ میں دب کر ہمیشہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہوجاتا۔ مبارکباد کے مستحق ہیں جامعہ سلفیہ بنارس کے ہونہار استاذ اور جماعت اہل حدیث

کے مشہور اہل قلم مولانا اسعد اعظمی صاحب، جنہوں نے اس عظیم اور اہم کارنامے کو منصۂ شہود پر لانے کا بیڑہ اٹھایا۔ رسائل وجرائد کی فائلوں کی ورق گردانی کرنا، بکھری ہوئی کڑیاں جمع کر کے حقائق کو دستاویزی شکل دینا، علماء کے تاثراتی بیانات سے صحیح معلومات اخذ کرنا، رحمانیہ دہلی کے فارغین، مستفیدین، زائرین، مشاہدین کے اسمائے گرامی کی تلاش وجستجو جوئے شیر نکالنے سے کم نہ تھا، مگران کے عزم وحوصلہ، شوق وجنون اور تحقیق وتدقیق کے ملکہ خداداد نے ان سے وہ کام کروالیا، جو آج تک جماعت اہل حدیث پر قرض تھا۔

کتاب کا نام ''تاریخ وتعارف مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی'' ہے اور متوسط تقطیع پر ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، کاغذ طباعت اور کمپوزنگ معیاری ہے، ہاں ٹائیٹل میں دارالحدیث میں الف کا چھوٹ جانا ذوق پر کھٹکتا ہے۔ یہ ناشر کی پیشہ ورانہ غلطی ہے جسے بہر حال نظر انداز کر دینا چاہیے۔ تقدیم مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ کی ہے، جو رحمانیہ دہلی کے خوشہ چیں اور جماعت اہل حدیث کی بزرگ شخصیت اور مولانا کے والد بزرگوار ہیں۔

مذکورہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ہے اور اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ چونکہ یہ ایک تعلیمی ادارے کی تاریخ ہے۔ شاید اسی لیے مولانا نے تعلیمی ادارے کے بنیادی عناصر منتظمین، اساتذہ، طلبا اور نصاب تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے اسی اعتبار سے کتاب کو ترتیب دیا ہے جس نے اس کی معنویت اور افادیت کو بڑھا دیا ہے۔ رحمانیہ دہلی ہر پہلو سے مثالی ادارہ تھا اور آج کے تعلیمی اداروں کے لیے گائڈ لائن ہے۔ مولانا خود ابتدا ہی میں (عرض مرتب) اس کتاب کے جمع وترتیب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دارالحدیث رحمانیہ کی تاریخ کے ان گوشوں کے جمع وترتیب کا مقصد، محض تاریخ گردانی یا عظمت رفتہ پر نوحہ خوانی یا پدرم سلطان بود کی لن ترانی نہیں ہے، بلکہ اس تابناک ماضی میں روشن مستقبل کی تلاش اور عبر ومواعظ کا جمع واستنتاج اصل ہدف ہے۔ آج ہمارے پاس نہ مدارس وجامعات کی کمی ہے نہ ان میں پڑھنے پڑھانے والوں کی اور نہ ہی ارباب انتظام کے قحط کا رونا ہے، لیکن پھر بھی ہماری یہ تعلیم گاہیں -الا ماشاء اللہ- بے روح، بے ثمر اور بے سمت نظر آتی ہیں۔ دین کے ان قلعوں اور رجال سازی کی ان فیکٹریوں سے سالانہ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں بن سنور کر افراد باہر آتے ہیں، لیکن ان میں علم وعمل کے شیدائی اور دین ودھرم کے خادم بے حد کم اور بلکہ ردی مال ہی زیادہ ہوتا ہے جو قوم وملت اور معاشرے کی امیدوں پر پانی پھیرنے کے سامان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا''۔ (ص ۱۱)

کتاب کے آغاز میں مولانا صلاح الدین مقبول احمد کے تاثرات ہیں، آپ نے دارالحدیث رحمانیہ کے بارے میں اپنے تفصیلی تاثرات کا اظہار فرمایا اور آخر میں چند سطروں میں مؤلف کا حوصلہ بھی بڑھایا۔

دارالحدیث رحمانیہ ایک شخصی ادارہ تھا، جس کے مالک دو پنجابی برادران شیخ عبدالرحمٰن (م ۱۹۲۱ء)، اور شیخ عطاء الرحمٰن (م ۱۹۳۸ء) تھے، مولانا نے اسی لیے آغاز میں بانیان مدرسہ اور ان کے خاندان کے بارے میں جو کچھ مواد مل سکا پیش کر دیا، اس کے بعد رحمانیہ کے پس منظر اور اس کے محرکات پر تفصیلی روشنی ڈالی، اس سلسلے میں دراصل مختلف بیانات ملتے ہیں۔

(۱) رحمانیہ کے قیام کے محرک مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی تھے، (۲) رحمانیہ کے محرک اول مولانا ابراہیم سیالکوٹی تھے، (۳) امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ نے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور شیخ عبدالرحمٰن سے مل کر ایک مرکزی ادارہ کے قیام کی ترغیب دلائی۔ مولانا اسعد صاحب نے تینوں نکتۂ نظر سے متعلق علماء اہل حدیث مثلا مولانا نذیر احمد صاحب املوی (م ۱۹۶۵ء)، مولانا عبدالغفار رحمانی، ماسٹر محمد فاروق اعظمی (جل گاؤں)، مولانا محمد اسلم سیف فیروز پوری کے مضامین اور اقتباس نقل کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ محرک اول مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی یقیناً تھے، لیکن صوفی عبداللہ اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی کی تحریک وتائید نے رحمانیہ کے قیام میں تقویت پہنچائی۔ اس سلسلے میں ذمہ داران مدرسہ نے اخبار محمدی دہلی میں ایک تحریر شائع کروائی اور وضاحت کی یہ مدرسہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی ترغیب اور خواہش پر قائم کیا گیا ہے۔ ادارے کی طرف سے شائع کردہ یہ تحریر اس مسئلہ کے تصفیہ میں فیصلہ کن ہے۔

اس کے بعد آپ نے مدرسہ کے قواعد وضوابط، مدرسین اور طلبہ کے حقوق فرائض کا ذکر کیا اور نصاب تعلیم پر تفصیلی روشنی ڈالی، لیکن اس کی خوبیوں اور خامیوں کا تنقیدی جائزہ لینے کے بجائے مولانا عبدالغفار صاحب کا ایک اقتباس نقل کرنے پر اکتفا کیا اور یہ بتلا دیا کہ مولانا کے تبصرہ میں بڑا اجمال اور غموض ہے اور ان کے تسامحات کی نشان دہی کی۔ آخر میں صرف اس طرف اشارہ کیا کہ اصول حدیث میں صرف ایک کتاب شرح نخبۃ الفکر پر اکتفا اس فن کے ساتھ ناانصافی ہے۔ اس کے علاوہ منطق وفلسفہ کی کتابیں تعداد میں زیادہ ہیں اور اس کی وجہ بھی بتلا دی۔ نصاب مختصر تھا۔ لیکن اس کے نتائج کا اندازہ فارغین کی علمی قابلیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ ضرورت تھی اس دور کے مدارس کے نصاب سے موازنہ کر کے اس کا تجزیہ کیا جاتا تاکہ موجودہ نصاب تعلیم کو مفید بنانے میں بھی اس سے مدد مل سکے۔ غالبا اختصار ملحوظ نظر تھا۔ یہاں پر یہ ذکر کر دینا مناسب ہے کہ رحمانیہ کے نصاب تعلیم میں عربی تحریر وتقریر اور گفتگو پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ پانچویں جماعت سے آخری جماعت تک دورانِ درس عربی میں گفتگو لازمی تھی۔ آج کے چھوٹے بڑے بیشتر مدارس کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ نصاب کے بعد طلبہ کے حقوق وفرائض، مدرسین کی ذمہ داریاں، ناظم مدرسہ کے طلبہ اور مدرسین سے روابط، ذہین طلبہ کی تشجیع وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لیا۔ دراصل مدرسین، ناظم، اور طلبا ہی وہ بنیادی عنصر ہیں جن کے باہمی تال میل سے ادارہ فروغ پاتا ہے اور فارغین آفتاب ومہتاب بن کر نکلتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ادارہ کے مالکان تاجر اور سرمایہ دار ہوتے ہوئے بھی، علما، اساتذہ اور طلبا کی قدر وقیمت کو سمجھتے تھے۔ ان کی ایک ایک ضرورت کا خیال رکھتے تھے، انہیں ضیوف الرحمٰن سمجھتے، ان کا جوٹھا تک کھا لینے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ دوسری طرف ضوابط کی خلاف ورزی، فرائض میں کوتاہی کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ مولانا نے جناب فاروق اعظمی صاحب کا اقتباس نقل کیا ہے:

''......طلبہ واساتذہ کے خورد ونوش اور رہائش کا بہترین انتظام فرماتے تھے، غریب ویتیم اور مسکین طلبہ کے ساتھ

خصوصی محبت سے پیش آتے تھے اور ان کو مختلف مراعات بہم پہنچاتے تھے......طلبا کو مختلف قسم کے تحائف، انعامات اور سہولیات سے ان کو اس طرح نوازا جاتا کہ وہ ہر طرح کی فکروں سے آزاد ہو کر صرف مدرسہ رحمانیہ کے ہو کر رہ جاتے اور پوری دلجمعی اور ذہنی یکسوئی سے علم حاصل کرتے، یہی وجہ ہے کہ دارالحدیث رحمانیہ نظم ونسق، درس وتدریس، تعلیم وتربیت کا ایسا مینار بن گیا تھا، جس کی ضیاپاشی سے شرق وغرب اور شمال وجنوب سبھی جگمگا رہے تھے''۔ (ص ۱۷۴)

مولانا نے مختلف رسائل وجرائد خصوصا محدث دہلی نومبر ۱۹۳۸ء کے شمارے کے حوالے سے تقریبا ایک سو تینتیس (۱۳۳) فارغین کے اسماء گرامی کا ذکر کیا، ان میں زیادہ تر وہ علما ہیں جنہوں نے تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد، درس وتدریس، صحافت وخطابت کے میدان میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔ جیسا کہ مولانا نے ذکر کیا رحمانیہ میں طلبا کی تعداد پچاس سے نوے تک ہوتی تھی، اس اعتبار سے فارغین اور مستفیدین کی تعداد سولہ سترہ سو سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ مولانا اگر مختلف علاقوں سے رابطہ قائم کرتے تو یہ فہرست طویل ضرور ہو جاتی، مگر اس کتاب کے ذریعہ ریکارڈ پر آجاتی۔ اس سلسلے میں غالبا مولانا کے سامنے مراجع کی فراہمی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ محدث دہلی کی فائلیں اس کے لیے بے حد کارآمد ہوتیں، لیکن وہ کمیاب ہیں۔

طلبا اور فارغین کے ذکر کے بعد مولانا نے رحمانیہ کے مدرسین کا ذکر کیا اور بعض اہم اساتذہ مثلا مولانا نذیر احمد صاحب املوی، شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب، مولانا عبدالغفار حسن صاحب، مولانا محمد صاحب سورتی کا تفصیلی تعارف پیش کیا، مدرسہ رحمانیہ دہلی کے زائرین کی تفصیل اور ان کے تاثرات کو نقل کیا اور سب سے آخر میں اس گلستان کے اجڑنے کی دلدوز داستان اس انداز سے بیان کیا کہ ہر قاری کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔

کتاب کے مختلف اجزا ماہنامہ محدث (بنارس) میں پہلے ہی شائع ہو چکے تھے۔ مولانا نے دو سال کی عرق ریزی کے بعد اسے کتابی شکل دے دی۔ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا یہ کتاب ایک مستند تاریخی دستاویز ہے، ابھی اس تاریخ کے متعدد پہلو تفصیل کے متقاضی ہیں۔ امید ہے کہ تحقیق وجستجو کے شائقین تاریخ کے دفینوں سے مزید حقائق جمع کریں گے۔ میں طلبا، اساتذہ اور تعلیمی اداروں کے وابستگان سے سفارش کروں گا کہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔ اللہ مولف کو اس علمی تالیف پر اجر جزیل عطا کرے۔

(محمد ابوالقاسم فاروقی)

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی

عالمی سطح پر حلال مصنوعات وغذائی اشیاء کی تجارت میں اضافہ:

اسلامی قوانین کے مطابق تیار کردہ معیار مصنوعات اور حلال غذائی اشیاء کی خرید وفروخت میں عالمی سطح پر تیزی سے اضافہ ہورہاہے۔اوراس کی مالیت سیکڑوں ارب ڈالر تک پہونچ گئی ہے۔

دراصل بین الاقوامی منڈی میں حلال فوڈ اور پروڈکٹس میں تیزی سے اضافے کا ایک اہم سبب عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی بھی ہے۔اس وقت دنیا میں مسلم آبادی تقریبا ایک ارب ۶۰ کروڑ ہے۔اورآئندہ چند برس میں مسلم آبادی والے ممالک میں آبادی کی شرح مزید بڑھے گی۔مسلم دنیا کے کاروباری اداروں کے علاوہ برازیل سے لے کر امریکہ اورآسٹریلیا تک کے ادارے بھی حلال غذائی اشیاء تیار کرنے والے ممالک کی فہرست میں شامل ہیں۔

متحدہ عرب امارات بھی خودکو عالمی سطح پر اسلامی بینک کاری میں اوراسلامی کاروبار کے مرکز کے طور پر مستحکم بنانا چاہتا ہے۔

واضح ہو کہ عالمی سطح پر حلال مصنوعات کی برآمد میں ملیشیا پہلے نمبر پر ہے۔جرمنی میں حلال کنٹرول کے نام پر ایک ایسی کمپنی بھی گذشتہ چودہ برسوں سے کام کررہی ہے جو پورے یوروپ میں مختلف مصنوعات کے حلال اور اسلامی معیار کے مطابق ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔(اخبار تحقیق:۳/۳/۲۰۱۴ء)

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے پانچ اسکالرز سرفراز:

مملکت سعودی عرب کے شاہ فیصل عالمی ایوارڈ کی تقریب دارالحکومت ریاض میں منعقد ہوئی۔جس میں سعودی ولی عہد شہزادہ سلمان بن عبدالعزیز نے پانچ بین الاقوامی اسکالرز کو اسلام،اسلامی تعلیمات،عربی زبان وادب،طب اورسائنس کے شعبوں میں نمایاں خدمات کی انجام دہی پر شاہ فیصل عالمی ایوارڈ سے نوازا۔ایوارڈ حاصل کرنے والوں کے نام درج ذیل ہیں:(۱)پروفیسر عبدالوہاب ابراہیم ابو سلیمان(اسلامی خدمات)،(۲)چینی پروفیسر یوک نگ ڈینس(طبی خدمات)،(۳)احمد ابوبکر کولیمونا نیجریا(اسلامی خدمات)،(۴)ابو صباح عراقی(عربی زبان وادب)،(۵)جرمن پروفیسر جرڈ فالنکس(سائنس)۔

سعودی عرب:انسداد دہشت گردی قانون کا نفاذ:

انسداد دہشت گردی سے متعلق سعودی عرب میں ایک نیا قانون نافذ العمل ہوگیا ہے۔دسمبر ۲۰۱۳ء میں سعودی عرب کی وزارتی کونسل نے اس قانون کو منظوری دی تھی۔اس قانون کا سب سے اہم اور بڑا مقصد دہشت گردی کے خطروں سے نمٹنا ہے۔اور اس میں ملوث افراد کو سخت سے سخت سزائیں دینا ہے۔چنانچہ یہ قانون چالیس شقوں پر مشتمل ہے۔

دراصل اس قانون میں دہشت گردی کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مجرمانہ محرکات پر مبنی ایسا کوئی بھی عمل جس سے بالواسطہ یا بلا واسطہ امن عامہ،ریاست کی سلامتی کونسل اوراستحکام میں خلل پڑے،یا قومی سلامتی خطرات سے دوچار ہوجائے تو یہ دہشت گردی ہے۔اس قانون کے تحت سیکورٹی فورسیز کو کسی بھی مشتبہ شخص کو چھ ماہ تک زیر حراست رکھنے کا حق حاصل ہے۔(چوتھی دنیا:۳/۳/۲۰۱۴ء)

☆☆☆

جامعہ سلفیہ بنارس میں علماء اہل حدیث کا ایک اہم اجتماع

کارروائی اجتماع علماء اہلحدیث مورخہ ۳؍جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۵؍مارچ ۲۰۱۴ء بروز بدھ بوقت ۱۱؍بجے دن بمقام سنٹرل لائبریری، الجامعۃ السلفیۃ (مرکزی دارالعلوم) ریوڑی تالاب بنارس، الہند۔

زیر صدارت: حضرت مولانا عبدالرحمٰن بن شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی، مبارکپوری حفظہ اللہ تعالیٰ

حاضرین مجلس:-

۱- جناب مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری بن شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی رکن مجلس عاملہ وشوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

۲- جناب مولانا محمد اعظمی صاحب	سابق شیخ الحدیث جامعہ عالیہ عربیہ، مئو
۳- جناب مولانا مظہر احسن ازہری صاحب	نائب صدر جامعہ سلفیہ بنارس، وناظم اعلی جامعہ عالیہ عربیہ، مئو
۴- جناب مولانا شاہد جنید صاحب سلفی	صدر جامعہ سلفیہ، بنارس
۵- جناب مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی	ناظم اعلی جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس
۶- جناب مولانا ارشد مختار صاحب	صدر جامعہ محمدیہ منصورہ، مالیگاؤں
۷- جناب مولانا محمد بن عبدالحمید رحمانی صاحب	صدر مرکز ابوالکلام آزاد، نئی دہلی
۸- جناب مولانا مطیع الرحمٰن بن عبدالمتین صاحب مدنی	صدر توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، بہار
۹- جناب مولانا محمد ارشد فہیم الدین صاحب مدنی	نائب صدر جامعہ امام ابن تیمیہ، چمپارن، بہار
۱۰- جناب مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی	سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، دہلی
۱۱- جناب مولانا محمد مقیم صاحب فیضی	سابق نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند، دہلی
۱۲- جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب اثر ندوی	ناظم جامعہ اسلامیہ دریاباد، یوپی
۱۳- جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب فیضی	امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث مہاراشٹر ، مالیگاؤں
۱۴- جناب مولانا صلاح الدین مقبول احمد صاحب مدنی	صدر کور کمیٹی جمعیت اہل حدیث ہند، نئی دہلی
۱۵- جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب لیثی	وکیل الجامعہ، جامعہ اسلامیہ خیر العلوم وصدر ضلعی جمعیت سدھارتھ نگر
۱۶- جناب مولانا عبدالواحد عبدالقدوس صاحب مدنی	رئیس صفا ایجوکیشنل ٹرسٹ، سدھارتھ نگر، یوپی
۱۷- ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب مدنی	ناظم اعلی جامعہ اسلامیہ کوسہ ممبرا، ممبئی، مہاراشٹر

۱۸- جناب پروفیسر عبدالمبین خاں صاحب	صدر جامعہ اسلامیہ کوسہ ممبرا، ممبئی، مہاراشٹر وسابق رکن عاملہ شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
۱۹- جناب سید عطاء الرحمٰن صاحب ، جبل پور	سابق ممبر مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
۲۰- جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب مدنی	ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث، سدھارتھ نگر، یوپی
۲۱- جناب مولانا عبدالمنان بن عبدالحنان صاحب سلفی	وکیل الجامعہ، جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر، نیپال
۲۲- جناب مولانا شبیر احمد صاحب مدنی	ناظم جمعیۃ ندوۃ السنۃ التعلیمیۃ الخیریۃ، اٹوابازار، سدھارتھ نگر
۲۳- جناب مولانا عبدالسلام صاحب سلفی، ممبئی	امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی عظمی
۲۴- جناب مولانا حافظ محمد سلیمان صاحب میرٹھی	صدر جامعہ فاطمۃ الزہراء، میرٹھ وسابق امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث، مغربی یوپی
۲۵- جناب مولانا عبدالسلام صاحب مدنی، سدھارتھ نگر	سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس
۲۶- جناب مولانا صفی احمد صاحب مدنی	صدر مجلس علماء آندھرا پردیش ، حیدرآباد
۲۷- جناب مولانا عبدالرحیم صاحب مکی	سابق ناظم جمعیت اہل حدیث، حیدرآباد
۲۸- جناب مولانا مقصود علاء الدین صاحب سین	ناظم ضلعی جمعیت اہل حدیث رتناگیری، ممبئی
۲۹- جناب ڈاکٹر بدرالزماں صاحب نیپالی	رئیس جمعیۃ التوحید الخیریۃ، نیپال
۳۰- جناب ڈاکٹر آر کے نور محمد صاحب عمری مدنی	ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث تامل ناڈو وپانڈیچری
۳۱- جناب مولانا ظفرالحسن صاحب مدنی	داعی وفاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ - شارجہ
۳۲- جناب مولانا عبداللہ زبیری صاحب سلفی	ناظم جامعہ رحمانیہ، بنارس
۳۳- جناب مولانا احسن جمیل صاحب مدنی	ناظم امہات المؤمنین گرلس کالج، بنارس
۳۴- جناب مولانا نعیم الدین صاحب مدنی	شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ بنارس
۳۵- جناب مولانا عبیداللہ طیب صاحب مکی	استاذ جامعہ سلفیہ بنارس
۳۶- جناب مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی	سابق شیخ الجامعہ واستاذ جامعہ سلفیہ، بنارس
۳۷- جناب مولانا محمد یونس صاحب مدنی	نائب شیخ الجامعہ، جامعہ سلفیہ بنارس
۳۸- جناب مولانا نورالعین صاحب سلفی	استاذ کلیہ فاطمۃ الزہراء، مئو
۳۹- جناب مولانا ابوالقاسم عبدالعظیم صاحب مدنی	استاذ جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو
۴۰- جناب مولانا عبداللہ عبدالتواب صاحب مدنی	صدر جامعہ خدیجۃ الکبری، نیپال
۴۱- جناب مولانا عبدالحمید خاں صاحب	نائب صدر جمعیت اہل حدیث ممبئی

۴۲- جناب مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب، سنت کبیر نگر — سابق رکن مجلس شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
۴۳- جناب مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب فیضی — استاذ حدیث جامعہ محمدیہ کھیدو پورہ، مئو
۴۴- جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب عمری مدنی، حیدر آباد — امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث، آندھرا پردیش
۴۵- جناب آفتاب احمد صاحب — ناظم شہری جمعیت اہل حدیث کولکاتا
۴۶- جناب مولانا مزمل الحق سلفی مدنی — شیخ الجامعہ، جامعۃ الامام البخاری کشن گنج، بہار

ان کے علاوہ شہر و بیرون شہر کے متعدد مخصوص علماء کرام واعیان جماعت نے اس پروگرام میں شرکت فرمائی۔

سب سے پہلے مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی ناظم اعلیٰ الجامعۃ السلفیۃ (مرکزی دارالعلوم) بنارس نے محترم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کا نام صدارت کے لیے پیش کیا، حاضرین نے اس کی تائید کی۔

پھر مولانا محمد بن عبدالحمید رحمانی کی تلاوت قرآن سے میٹنگ کا آغاز ہوا۔

اس کے بعد ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود سلفی نے حمد وصلاۃ کے بعد حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور جامعہ میں سب کو خوش آمدید کہا اور میٹنگ کے ایجنڈا کی دفعات پر روشنی ڈالی، پھر حسب ایجنڈا میٹنگ کی کارروائی شروع ہوئی۔

ایجنڈا نمبرا: جماعت اہلحدیث کے بارے میں کی جانے والی ریشہ دوانیاں اوران کے سد باب پر غور

ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ نے اس ایجنڈا کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی اور حاضرین سے اس کے لیے لائحہ عمل پیش کرنے کی سفارش کی۔

اس دفعہ پر جن لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمایا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

شیخ صلاح الدین مقبول مدنی، شیخ عبدالمعید مدنی، شیخ صفی احمد مدنی حیدر آباد، شیخ عبدالرحمٰن لیثی، مولانا عبدالوہاب خلجی، مولانا محمد رحمانی، ڈاکٹر ارشد فہیم الدین مدنی، ڈاکٹر آر کے نور محمد عمری مدنی

۴۵-۱۲ پر اذان ظہر ہو جانے پر میٹنگ روک دی گئی۔ نماز ظہر اور کھانے سے فراغت کے بعد ۲/بجے نشست کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ پھر جن لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ان میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا محمد صاحب اعظمی، شیخ ظفر الحسن صاحب مدنی، شیخ مطیع الرحمٰن صاحب مدنی، ڈاکٹر سعید احمد مدنی عمری، شیخ ابوالقاسم عبدالعظیم اور مولانا نور العین سلفی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

طے پایا کہ تین علماء پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے جو سب کی طرف سے پیش کردہ تجاویز کی روشنی میں ایک رپورٹ بنائے اور کل صبح میٹنگ میں پیش کرے۔

۳/بجے میٹنگ روک دی گئی کہ اب عصر کے بعد دوسرے دفعہ پر گفتگو ہوگی۔

☆ عصر کی نماز کے بعد ساڑھے چار بجے تیسری نشست کا آغاز ہوا اور دوسرے دفعہ پر گفتگو شروع ہوئی۔

ایجنڈا نمبر۲: جماعتی انتشار کے خاتمہ کے لیے لائحہ عمل پر غور

اس ایجنڈا پر مختلف لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، سب نے اس بات کی تائید کی کہ ایجنڈا بہت اہم ہے اور جماعتی انتشار کی وجہ سے دعوت کا عمل متاثر ہے اور جماعت میں گروپ بندی سے جماعت کا کافی نقصان ہو رہا ہے۔ اور اجتماعیت خطرے میں ہے۔ مختلف لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ میٹنگ کا سلسلہ مغرب کی نماز کے وقفہ کے بعد ساڑھے سات بجے تک چلا اور سات افراد پر مشتمل کمیٹی بنا کر ان کے حوالے کیا گیا کہ تجاویز کا ایک خاکہ تیار کر کے صبح کی میٹنگ میں رکھا جائے اور اسی کی روشنی میں لائحہ عمل طے ہو۔

دوسرے دن مورخہ ۶/مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعرات صبح ۱۰/بجے میٹنگ کا آغاز ہوا۔ ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ نے مولانا محمد اعظمی صاحب کا نام صدارت کے لیے پیش فرمایا اس کے بعد حمد وصلاۃ کے بعد میٹنگ کی کارروائی شروع ہوئی۔

پہلے اور دوسرے دفعات پر جو آراء آئی تھیں اور کمیٹی نے جن نکات کو قلمبند کیا تھا ان کو ایک ایک کر کے پڑھا گیا۔ اور سب پر بحث ہوئی اور کچھ نکات ایسے تھے جن کو حذف کیا گیا۔ یہ میٹنگ نماز ظہر اور ظہرانہ کے وقفہ کے بعد عصر کی اذان تقریبا چار بجے تک چلی اور دونوں دفعات کے لیے الگ الگ جو تجاویز پاس ہوئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

☆ تجاویز بابت دفعہ نمبر۱: ریشہ دوانیاں اسباب وعلاج

۱- دعوتی میدان میں جماعت اہل حدیث کے خلاف غلط فہمیاں پھیلانا۔

۲- تاریخی میدان میں جماعت اہل حدیث کے کارناموں کو چھپانا۔

۳- اقتصادی میدان میں جماعت ومدارس کے ذرائع آمدنی پر قدغن لگانا۔

۴- سیاسی میدان میں سواد اعظم کے نام پر اہل حدیثوں کو زک پہنچانا۔

☆ اسباب:

۱- جماعت وجمعیت کا انتشار۔

۲- نوجوانوں میں فکری آزاد خیالی۔

۳- مضبوط دفاعی محاذ کی کمی۔

۴- غیروں کے ساتھ بے جا رواداری اور اپنوں کے ساتھ مداہنت۔

۵- جماعتی وجامعاتی سطح پر روابط اور تشاور کی کمی۔

۶- پرجوش اور نوجوان خطباء میں حکمت دعوت اور تربیت کا فقدان۔

۷- دعوت کے میدان میں مضبوط اور منظم لائحہ عمل کی کمی۔

☆ **تجاویز:**

۱- اہم جامعات میں تخصص فی الدفاع عن أھل الحدیث کا شعبہ قائم کیا جائے، جس میں تاریخ اہل حدیث کے مطالعہ کو شامل کیا جائے۔

۲- قانونی سیل قائم کیا جائے جو جماعت پر لگنے والے الزامات، اور بے قصور افراد کی گرفتاری کے خلاف کام کرے۔

۳- فقہ اکیڈمی کا قیام، جو جدید مسائل پر جماعت کا موقف پیش کرے۔

۴- میڈیا سیل کا قیام، جو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر نظر رکھے اور مناسب اقدام کرے۔

۵- ملکی اور ملی مسائل میں ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے۔

۶- کبار علماء بورڈ کا قیام، جو علمی اور تاریخی حقائق کو چھپانے کی کوششوں کا پردہ چاک کرے، اور جماعت کی طرف سے دفاع کا فریضہ انجام دے۔

۷- دعوتی امور کو منظم کیا جائے، اور دعاۃ کی تربیت کی جائے۔

۸- جماعت اور جمعیت کے اختلافات کو ختم کرنے کی سبیل پیدا کی جائے۔

تجاویز بابت دفعہ نمبر۲: جماعتی انتشار کے خاتمہ کے لیے لائحہ عمل پر غور

۱- یہ موقر اجتماع جماعت کے اندر پھیلی بے چینی کو دور کرنے کے لیے جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کی کوششوں کو سراہتا ہے، اور ارباب جماعت سے گزارش کرتا ہے کہ ان مساعی کی قدر کریں اور دعاؤں کے ساتھ ہر ممکن تعاون کریں۔

۲- اس اجتماع میں امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کو جامعہ سلفیہ نے تحریری دعوت دی اور ناظم عمومی اصغر علی سلفی سے زبانی وملاقات کرکے بہ اصرار ان سے اس میں حاضر ہونے کے لیے گزارش کی مگر وہ اس میں حاضر نہ ہوئے۔ یہ اجتماع ان کی غیر حاضری پر شدید تاسف اور دکھ کا اظہار کرتا ہے۔

۳- یہ اجتماع امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند حافظ محمد یحییٰ صاحب اور ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند مولانا اصغر علی صاحب سے گزارش کرتا ہے کہ جماعت کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے اس مجلس کی اتحادی کوششوں کا ساتھ دیں۔

۴- علماء واعیان جماعت کا یہ موقر اجتماع اس نتیجہ پر طویل بحث وگفتگو کے بعد پہنچا ہے کہ دستوری اور تنظیمی مشکلات سے زیادہ پیچیدہ ملک بھر کے افراد جماعت کا ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب ہے۔ اس انتشار واضطراب کے ہوتے ہوئے دعوت وتعلیم، وحدت واجتماعیت خطرے میں ہے۔ اس کے پیش نظر اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے کہ جماعت کے عظیم تر مفاد کی خاطر ایک کمیٹی متعین کی جائے جو مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ذمہ داروں سے بات کرے اور انتشار کا حل نکالے۔

مندرجہ ذیل علماء مذکورہ بالا کمیٹی کے لیے متعین کیے گئے:

۱-	مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی	بنارس	کنوینر
۲-	مولانا شبیر احمد صاحب مدنی	اٹوا بازار	معاون
۳-	مولانا عبدالرحمٰن صاحب لیثی	ڈمریا گنج	ممبر
۴-	ڈاکٹر عبدالمبین صاحب	ممبئی	ممبر
۵-	ڈاکٹر سعید احمد صاحب فیضی	مالیگاؤں	ممبر
۶-	مولانا عبدالسلام صاحب مدنی	ٹکریا	ممبر
۷-	مولانا عبدالسلام صاحب سلفی	ممبئی	ممبر
۸-	مولانا آر کے نور محمد صاحب	چنئی	ممبر

کنوینر کو اختیار ہے کہ حسب ضرورت کسی معروف ومؤثر شخصیت کو شامل کرسکتا ہے۔

۵- اس اصلاحی کوشش کے لیے زیادہ سے زیادہ تین ماہ کی مدت طے کی گئی ہے، اور کوشش کی جائے گی کہ ایک ماہ کے اندر اس کام کو کرلیا جائے۔

۶- جامعہ سلفیہ میں منعقد مؤقر علماء اہل حدیث کا یہ اجتماع علی وجہ البصیرت یہ سمجھتا ہے کہ فساد اور بگاڑ بہت بڑھ چکا ہے، بلا کسی جانب داری یہی سمجھتا ہے کہ کسی ردو قدح اور جدال وگفتگو مرکزی جمعیت کے ذمہ دار اس اجتماع کی تجاویز کو شرح صدر کے ساتھ مان لیں اور جماعت کو بہت بڑے بحران سے نکالنے میں مدد کریں۔

۷- اس مجلس میں جو قرار دادیں یا تجاویز منظور ہوئیں انہیں شرکاء کے ناموں کے ساتھ شائع کیا جائے، اور مرکزی وصوبائی جمعیتوں اور اعیان جماعت کے پاس بھیجا جائے۔

۸- اس مجلس کی مقرر کردہ کمیٹی برائے اصلاح اپنی صواب دید کے مطابق مرکزی اور صوبائی ذمہ داروں اور اعیان جماعت کے ساتھ اصلاح کے لیے گفتگو کرے اور رائے ومشورہ لے۔

۹- مجلس کی طرف سے مقررہ وقت میں اصلاحی کوششوں کے بعد نتائج کا جائزہ لیا جائے، اگر کوئی پیش رفت نہ ہوتو پھر نیا لائحہ عمل طے کیا جائے۔

۱۰- اس اجتماع کے متعلق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی طرف سے ۴/ مارچ ۲۰۱۴ء کا لکھا ہوا خط ۵/ مارچ ۲۰۱۴ء کو مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی کے نام ناظم مالیات کی طرف سے آیا ہے، اور اس میں امیر جمعیت کے نام بھیجے گئے ڈیڑھ سال پہلے ناظم اعلیٰ جامعہ سلفیہ کے ایک خط کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناظم صاحب نے اپنے ۱۵/۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء کا خط مجلس کو پڑھ کر سنایا، جس کو انہوں نے اپنے قلم سے ذاتی طور پر صرف امیر صاحب کو بھیجا تھا۔ ناظم صاحب کے خط کے مضمون کو مجلس نے ایک

مستحسن اقدام قرار دیا اوراس کے حوالہ سے ناظم مالیات کے ریمارک پر افسوس جتایا، ناظم مالیات نے اس میں ۵-۶ مارچ ۲۰۱۴ء کی منعقدہ میٹنگ کو کینسل کرنے کی گزارش کی ہے۔اس خط میں ناروا ریمارکس ہیں، نیز اس کا لب ولہجہ نہایت ناشائستہ ہے اور مضمون بھی اتہامات سے بھرا ہوا ہے۔ ہاؤس مرکزی جمعیت کے ذمہ داروں کے اس رویے پر اپنے دکھ اور غم کا اظہار کرتا ہے۔

۱۱- جمعیت اہل حدیث ہند کے متعلق اس کے ذمہ داروں سے مشورہ کرکے ہاؤس نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ اس کی تنظیمی سرگرمیوں کو تین مہینوں تک موقوف رکھیں گے اور مثبت اصلاحی رپورٹ آنے پر اسے تحلیل کردیں گے۔

دیگر دو ایجنڈوں پر وقت کی کمی کی وجہ سے خاطر خواہ گفتگو نہ ہوسکی۔ناظم صاحب نے سب سے درخواست کی کہ جن کے پاس جو تجاویز ہوں وہ تحریری شکل میں شیخ عبدالکبیر صاحب کے حوالہ کریں۔ان شاءاللہ اس کے لیے پھر کسی مناسب وقت پر بیٹھا جائے گا۔عصر کی اذان کے وقت صدر صاحب کی دعا کے ساتھ میٹنگ اختتام کو پہونچی۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس نے جماعت اہل حدیث میں اتحاد کی جو کوشش کی ہے۔ یہ اس کارروائی کی رپورٹ ہے۔میٹنگ کی تجویز کے مطابق جو کمیٹی متعین کی گئی اس کے ارکان ۱۹/مارچ کو دہلی پہنچے اور امیر جماعت حافظ محمد یحییٰ صاحب کے دولت کدہ پر دن میں گیارہ بجے میٹنگ کی۔اس میٹنگ میں امیر اور ناظم جمعیت سے علماء کی تجاویز کی روشنی میں اتحاد کی بات کرنی تھی۔ناظم عمومی اصغر صاحب نہیں پہنچے تو امیر صاحب سے فون کرایا گیا، وہ دہلی میں موجود تھے مگر نہیں آئے۔ امیر محترم نے ارکان وفد کی بات سننے کے بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مجلس شوریٰ بلانے کا وعدہ کیا اور مدعو خصوصی میں ہم لوگوں کو بھی شریک کرنے کی یقین دہانی کرائی کہ مسئلہ کو شوریٰ میں رکھ کر حل نکالا جائے گا۔

اب مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اور اس کی مجلس شوریٰ کے اراکین کی ذمہ داری ہے کہ جماعت کو متحد اور مضبوط کرنے کی سبیل پیدا کریں۔جامعہ سلفیہ بنارس کے پاس مرکزی جمعیت کے مجلس عاملہ وشوریٰ کے ممبران کے نام نہیں ہیں کہ ان سے رابطہ کیا جاسکے۔مرکزی جمعیت سے ان کی لسٹ طلب کرنے پر آج تک فراہم نہ کیا گیا، نہ جانے کیوں ان کے اسماء گرامی کو چھپا کر رکھا گیا ہے۔

تمام اخوان جماعت اور ذمہ داران مدارس وجمعیت سے گزارش ہے کہ ذاتی مفاد سے اوپر اٹھ کر جماعت ودین کی خدمت کے لیے آگے آئیں اور اس جمعیت کو جو خالص کتاب وسنت کی ترویج واشاعت اور قومی وملی خدمات کے لیے قائم کی گئی تھی مضبوط، مستحکم اور متحد بنانے میں ساتھ دیں۔اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے، آمین۔

ولله الحمد والمنة وبه التوفيق والسداد، وصلى الله تعالىٰ وبارك وسلم على محمد وآله وصحبه أجمعين.

(دفتر نظامت جامعہ سلفیہ، بنارس)

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ھذا کے بارے میں کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اسی طرح قرآن مجید کی دیگر آیتوں کو اعداد (ہندسہ) میں لکھنا اور یہ سمجھنا کہ یہ ان کا بدل ہے، قرآن وحدیث کی رو سے یہ درست ہے یا نہیں؟ اور اس میں کیا قباحتیں ہیں۔ مدلل ومحقق جواب دیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھوالموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ ۱۰ھ حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں اللہ رب العالمین نے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳) کے ذریعہ سے دین اسلام کی تکمیل کردی ہے، اور دین اسلام ایسا دین ہے کہ اس کے اندر زندگی گذارنے کے تمام آداب، قواعد وضوابط من جانب اللہ ومن جانب الرسول موجود ہیں۔ اور ان آداب وضوابط پر خود رسول اکرم ﷺ اور ان کے اصحاب ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' نے عملی نمونہ پیش کر کے ان کی مکمل وضاحت کردی ہے۔

ان اسلامی آداب میں سے ایک بہت ہی اہم ادب یہ بھی ہے کہ ہر کام میں اللہ رب العالمین کا نام مبارک لیا جائے تمام مسلمانوں کو اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے کہ ہر اہم کام کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع کریں۔ اس لیے کہ اس میں برکت ہے، اور اس پر صرف زبانی نہیں بلکہ تحریری طور پر بھی عمل کیا جائے، جیسا کہ اس سلسلہ میں آپ کی سنت مبارکہ ہمارے سامنے موجود ہے، چنانچہ احادیث کی متعدد کتابوں میں صحیح سندوں کے ساتھ مروی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور سرداروں کو جو مکتوب مبارک تحریر فرمائے تھے ان سب میں مضمون سے پہلے آپ نے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' تحریر فرمایا تھا۔

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے غیر مسلم بادشاہوں کو لکھے گئے خط میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا۔ لہذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ دیگر اہم کام کی طرح خط وکتابت کرتے وقت بھی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' تحریر کریں۔

کچھ لوگوں نے قرآن مجید کی بعض آیات مثلا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے بدل کے طور پر ''۷۸۶'' کا ہندسہ لکھنا اختیار کرلیا ہے، اور عوام میں یہ چیز بڑی تیزی کے ساتھ رائج ہوگئی ہے، حالانکہ اس بارے میں جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں اعداد (ہندسہ) کو کبھی بھی الفاظ کا بدل تسلیم نہیں کیا گیا۔

حروف کو اعداد کے طور پر استعمال کرنے کا رواج یہود اور نصاریٰ کی دین ہے، اور ان لوگوں کی محنت ومشقت کا نتیجہ ہے کہ یہ چیز آج دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی، حتی کہ مسلمانوں کا بہت بڑا طبقہ حرف کو اعداد کے طور پر لکھنا شروع کردیا ہے۔ خصوصاً ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی جگہ (۷۸۶) اور محمد (ﷺ) کی (۹۲) لکھا جانے لگا۔ حالانکہ مسلمانوں کا اس سے دور کا بھی کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔ اور حقیقت میں (۷۸۶) ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا صحیح عدد ہے بھی نہیں بلکہ اس کا (۷۸۷) صحیح عدد بنتا ہے۔ حروف مقطعات جو کئی سورتوں کے شروع میں ہیں اور الگ الگ حروف کے طور پر لکھے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق کتب تفسیر میں یہ روایات موجود ہیں کہ یہودیوں (حیی بن اخطب اور دیگر یہودیوں) نے جب یہ حروف سنے تو ان لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ اس سے مراد سال اور مدت ہے کہ اس نبی کی مدت اتنی رہے گی۔ چنانچہ ''الٓمٓ'' کو سن کر ایک یہودی عالم نے کہا کہ مسلمانوں کا نبی تو محض ۷۱/ سال تک ہی باقی رہے گا۔ جب اسے بتایا گیا کہ قرآن مجید میں ''الٓمٓصٓ'' بھی ہے تو اس نے کہا کہ یہ (۱۶۱) سال ہوگئے، پھر اسے بتایا کہ قرآن مجید میں ''الٓرٰ'' بھی ہے، تو اس نے کہا کہ یہ تو اور زیادہ ہوگئے، پھر جب اس کے سامنے ''الٓمٓرٰ'' پیش کیا گیا تو وہ اور زیادہ پریشان ہوگیا۔ کیونکہ یہ (۲۷۱) بنتے ہیں۔ آخر پریشان ہوکر کہنے لگا کہ مسئلہ الجھ گیا، ہمیں معلوم نہیں کہ ان کا مقصد کیا؟ (جب کہ ان حروف کی

حقیقت کو اللہ رب العالمین ہی بہتر جانتا ہے اور یہی موقف درست اور حقیقت پر مبنی ہے)(تفسیر طبری، ج:۱ص:۱۰۷-۱۰۸)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف اور اعداد کو ایک دوسرے کا بدل قرار دینے کا تصور یہودیوں کی طرف سے آیا ہے، اسلام سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ زمانہ رسول ﷺ سے لے کر آج تک مسلم معاشرہ (بلکہ کسی بھی معاشرہ میں) کے روزمرہ کی زندگی میں کبھی بھی اعداد کو الفاظ کا بدل سمجھنے کا تصور نہیں پایا گیا۔

آپ ہی ذرا سوچئے اگر کسی مولانا صاحب کو ''مولانا صاحب'' کی جگہ (۱۲۸) کہہ کر پکارا جائے تو وہ یقیناً سخت ناراض ہو جائیں گے اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ مجھے پکارنا ہو تو مولانا صاحب کہہ کر پکارو، اس کا نمبر (۱۲۸) نکال کر ہرگز نہ پکارو، اس لیے کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا، اسی طرح اگر کسی شخص کا نام مثلاً: ''انور'' ہو اور اس کو کوئی (۲۵۷) کہہ کر پکارے تو یقین جانئے انور بھی اس کو پسند نہیں کرے گا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ رب العالمین کے مقدم نام، اس کی مقدس صفات کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض نہیں ہوگا؟ یقیناً ناراض ہوگا۔ اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ افسوس صد افسوس۔

الفاظ کو اعداد میں استعمال کرنے کے باب میں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ کوئی عدد ایک ہی عبارت کو ظاہر کرنے یا ایک ہی عبارت کا بدل بنے یہ ضروری نہیں ہے۔ بلکہ وہ عدد کئی عبارتوں یا متعدد عبارتوں کا بدل یا مساوی ہوسکتا ہے، مثلاً یہی عدد (۷۸۶) کو لے لیجئے جس کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا بدل قرار دیا جاتا ہے یا تصور کیا جاتا ہے، اگر یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد کا مجموعہ ہے تو یہی عدد ہندؤں کے مشہور معبود کرشن کے نام کا نعرہ ''ہرے کرشنا'' کے اعداد کا مجموعہ بھی ہے، اب آپ ہی بتائیے کیا کوئی مسلمان (۷۸۶) کہہ کر ''ہرے کرشنا'' کہنا پسند کرے گا؟ یقیناً نہیں کرے گا۔ تو بچئے ایسے جملے اور اعداد کے استعمال سے جو جانے انجانے میں آپ کے عقیدے کو بگاڑ کر آپ کو گناہ میں ملوث کردیں۔

تو پھر کیا وجہ ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے ہم پسند نہیں کرتے اسے اللہ رب العالمین کے مقدس ناموں کے لیے اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کے لیے ہم پسند کریں۔ ایک مومن خالص کے لیے اس کا تصور بھی ناقابل قبول ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ (۷۸۶) لکھنے والے حضرات سے اس کی وجہ پوچھئے تو جواب دیتے ہیں کہ ہم ۷۸۶ اس لیے لکھتے ہیں تاکہ اللہ رب العالمین کے پاک نام کی بے حرمتی نہ ہو۔ کاغذ پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہو تو اسے ادب واحترام سے رکھنا چاہئے، لیکن (۷۸۶) لکھا ہوا ہو تو اس قدر احتیاط کی ضرورت نہیں۔ ان حضرات کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں بھی ۷۸۶ بسم اللہ کا بدل نہیں ہے اس لیے اس کا ادب واحترام کرنا ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ ورنہ اگر یہ عدد بھی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہی ہے تو اس کا ادب واحترام بھی اسی طرح ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ یہ (۷۸۶) کا عدد ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا نعم البدل صرف تحریر میں سمجھا جاتا ہے، زبان سے بولنے میں نہیں۔ ورنہ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ کے بجائے (۷۸۶) پڑھ کر کھانا شروع کردیا جائے۔ اور تلاوت کرتے وقت اس سہولت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اور اگر نماز کے اذکار وادعیہ کے لیے بھی اعداد نکال لیے جائیں تو بڑی آسانی سے جھٹ پٹ نماز سے فراغت حاصل ہوسکتی ہے۔ ہائے افسوس مسلمانوں کی عقل کہاں غائب ہوگئی۔

لہٰذا تمام قارئین (۷۸۶) یا ۷۸۶/۹۲ وغیرہ کا عدد استعمال کرنے کے بجائے اللہ رب العالمین کا مبارک نام اور مکمل ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا کریں تاکہ یہود ونصاریٰ کی نقل سے بچتے ہوئے اللہ رب العالمین کے مبارک ناموں کی برکتوں سے اسی طرح قرآن کی آیتوں کی نیکیوں سے فیض یاب ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک سمجھ عطا کرے، آمین۔

الجواب صحیح
مولانا علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
کتبہ: ابوعفان نورالہدیٰ عین الحق سلفی مالدہی
جامعہ سلفیہ بنارس